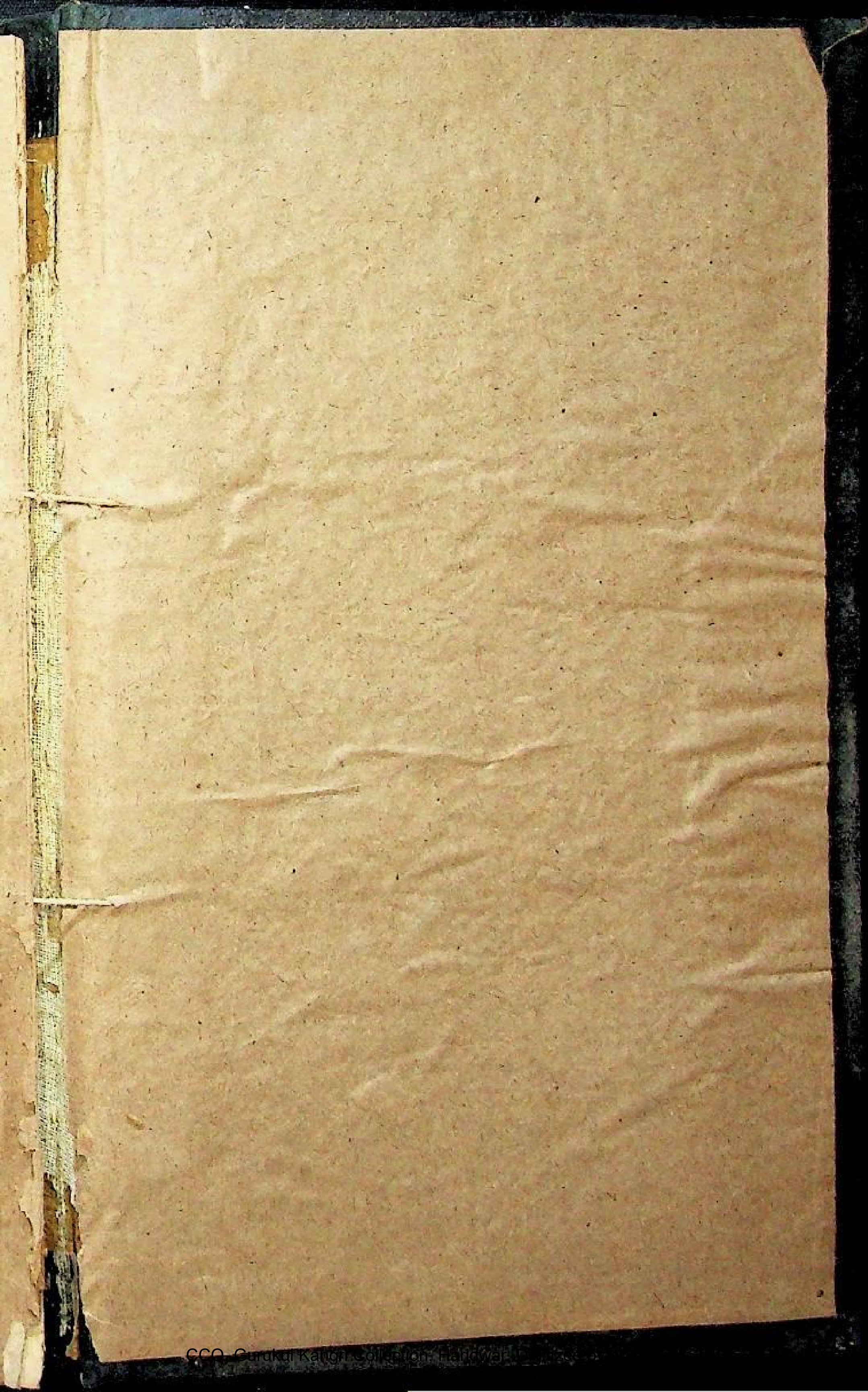
ARYA MUSAFIR PANDIT DHARAM VEER
LEKHRAM
1911
G. K. U.



رجسٹرڈ نمبر ایل ۶۶۰

ओ३म्

حسب الحکم آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب

آریہ مسافر

بیادگار دھرم ویر پنڈت لیکھرام جی آریہ مسافر

جلد ۱۳	بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء چیت سمبت ۱۹۶۷	نمبر ۶

आर्य मुसाफ़िर

पं. लेखराम

فہرست مضامین

آریہ پریس جالندھر شہر میں باہتمام لالہ امرناتھ جی چھپکر شایع ہوا

آریہ مسافر

بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء

نظم

دلِ مجروح

(از مہاشہ کاشی ناتھ فدا)

آہ پنڈت جی چھری پیٹ میں کھائی تم نے　　دھرم سیوا میں یہ تکلیف اُٹھائی تم نے

مرتے بیماری میں مرتے ہیں ہزاروں لیکن　　دھرم ویروں کی طرح ہستی مٹائی تم نے

خانگی جھگڑوں میں پھنسکر تو بہت مرتے ہیں　　شغلِ اصلاح میں ہے جان گنوائی تم نے

یہ بھی ہوتی ہے میسر کسی خوش قسمت کو　　موت جو خاص شہیدوں کی ہے پائی تم نے

رہ گئے دیکھ کے انگشت بدنداں دشمن　　لیکھیں ایسی زبردست بنائی تم نے

بحث اور وعظ سے فرصت نہ تمہیں ملتی تھی　　کس طرح اتنی کتب طبع کرائی تم نے

احمدی بھائی نہایت ہی خفا تم سے ہوئے　　جبکہ تکذیب براہین بنائی تم نے

قتل کی اور عدالت کی تمہیں دی دھمکی　　کی مقابل میں نہایت ہی سمائی تم نے

گالیوں طعنوں کو سنکر نہ ہوئے افسردہ　　بلکہ پرچار میں ہمت کو بڑھائی تم نے

پیش آتے رہے دشنام دہی سے وہ تو　　حق کی باتیں انہیں ہر وقت سنائی تم نے

ساتھ کچھ بھی نہ تمہارے تھا بجز فوج دلیل　　ملک اسلام پہ کی جبکہ چڑھائی تم نے

سر احادیث و تفاسیر کے کٹ کٹ کر گرے
تیرہ سو سال میں جو نخل ہوا تھا سرسبز
ہندوؤں کو جو شجر اپنی سمجھتا تھا کھاد
اژدہا کھائے چلی جاتی تھی جو صدیوں سے
جس کی طغیانی نے انسان بہائے لاکھوں
ایک بجلی سی جو اسلام نے دوڑا دی تھی
قادیانی کو بہت ناز تھا اپنے بل کا
دھرم ویدک میں نہ کیوں نام تمہارا ہو بڑا
یہ غلط ہے کہ مسلمانوں کے دشمن تم تھے
تم نہیں چاہتے تھے یہ نہ رہیں دنیا میں
ہندووں کی ہی انہیں نسل جو ثابت کر دے
ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو ہے تکرار
رام لیلا و محرم میں جو ہوتا ہے فساد
تھی مسلمانوں سے ملنے میں جو نفرت ہمکو
دین کو چھوڑ کے جو بن گئے ویدک دھرمی
جو کہ تعلیم قرانی میں خرابی تھی اُسے
اور جو سخت نظر آتے ہیں مضمون ہمیں
ویدرکشا کے لئے شوق سے خود ہو گئے فنا
خنجر دست ستم کیش سے خود ہو گئے ہلاک
دیکھا بھرتی ہے ہمیں راج حقیقت یہ صدا
زندگی بھر نہ سے ہو کریں گے ہرگز
زیست تک بند نہیں آریہ مسافر ہوگا
[illegible]

جب کبھی تیغ ستمگر اپنی چلائی تم نے
اُسکی جڑ زور سے ہے خوب ہلائی تم نے
بیخ پر اُسکی کلہاڑی ہے چلائی تم نے
اُس کے پنجہ سے ہے یہ قوم چھڑائی تم نے
روک دی ایسے سمندر کی چڑھائی تم نے
اُسکی تاثیر بہادر! ہے ہٹائی تم نے
اے دلیر! اُسکی بھی طاقت ہے گھٹائی تم نے
دھوم دنیا مذاہب میں مچائی تم نے
کی نہیں حق میں کبھی اُنکے بُرائی تم نے
بلکہ سمجھا تھا انہیں اپنا ہی بھائی تم نے
وہ پراچین تواریخ دکھائی تم نے
انہیں چاہی تھی ہم سے ہم صفائی تم نے
کرنا چاہی تھی یہ نابود بُرائی تم نے
سچ جو پوچھو تو گنوائی وہ ستائی تم نے
کرکے ہمراہ ہمیں روٹی کھلائی تم نے
پیار سے اور محبت سے دکھائی تم نے
یہ مخالف کی ہے اک طرز دکھائی تم نے
ہمکو قربانی کی ترکیب سکھائی تم نے
سر فروشی کی یہ تدبیر بتائی تم نے
جان بدلے میں بڑی قدر سے پائی تم نے
کی جو صحبت تھی جو کچھ دشت جدائی تم نے
یہ جو سخت خطا کس سے ہی پائی تم نے
دیکھ بھگتی یہ دم نزع دکھائی تم نے

اے سماجو! یہ تمہارا ہی تو سر ہوگا پاپ — گر رسالہ کی اشاعت نہ کرائی تم نے
گر یہ جاری نہ رہا ہم یہ کہینگے بے شُبہ — یادِ مقتول کی کیوں دل سے بھلائی تم نے
تمکو انسان فراموش کہیں گے سب لوگ — گر مدد اس میں ذرا بھی نہ دلائی تم نے
روحِ مجروح کی کیا تم کو دعائیں دیگی؟ — یادگار اُسکی جو دُنیا سے مٹائی تم نے

نام بھی پھر تو کوئی اُس کا نہ لے گا مترو
یہ نشانی نہ اگر اُس کی بچائی تم نے

مجروح کی موت

(از مہاشہ کاشی ناتھ فدا)

تو نے او قاتل! کیا کیا، لیکھ جانِ لیکھرام — مٹ سکا تجھ سے نہیں نام و نشانِ لیکھرام
ہوتے ہیں اُسکے تصدق سے زیادہ آدمی — ہو گئی دہ چند تجھ سے عز و شانِ لیکھرام
اُس کے مقناطیس کی تاثیر تجھ سے کب رُکی — گرچہ تو نے بند کر دی ہے زبانِ لیکھرام
تم نے چاہا لاکھ اے کمبخت گلچینِ خزاں — پر نہیں اُجڑا ہے تم سے گلستانِ لیکھرام
انعقاد ہو سکتا نہ تھا گروہ گراں — تجھ سے کیا تھمتا بھلا بحرِ روانِ لیکھرام
یہ رہے وانسخ منی الفت کی جیت ہے جہاں — گھٹ نہیں سکتی حیاتِ جاودانِ لیکھرام
مشتہری ہوتے ہیں اپنے خنجر کھینچتے۔ دل نگار — یہ صدا دیتا ہے زخمِ خونچکانِ لیکھرام
رنگ لائیگا کسی دن یہ لہو مقتول کا — یاد رہے تجھکو خوب یہ اے دشمنانِ لیکھرام
ذبح خود کر دیا کسی نے سے مصطفا کہ خنجر سے ترے — ہو چکے تھے دلمیں خوش نامہربانِ لیکھرام
کیسے شیر [illegible] ہوتے تب یہ دکھلائی دیا — کام کرتی پھرتی ہے بقیہ روانِ لیکھرام
سامنے تیرے [illegible] ہو رہی مشتہر — تیری تبلاش ہوا ہے کیا زبانِ لیکھرام
آج ہوتا [illegible] دیکھتے کس کو شہید — گر ہوا ہوتا نہ قتلِ ناگہانِ لیکھرام
وید پر ہوتا ہے کچھ پا نہیں وقت تھا — اشتہار تھا خدا کو امتحانِ لیکھرام

کٹ چکی تھیں آنت ساری بکت جاری تھا مگر
شانتی سے فنز گاتا تھا وہاں لیکھ رام

ایسا استقلال ہے کس کے دلِ مجروح میں
تا بلب آیا نہیں شور و فغانِ لیکھ رام

سپرٹ اُسکی ہے لافانی ہمارے قلب میں
گو نہیں ہے آج جسمِ ناتوانِ لیکھ رام

اِس لئے رستہ بھٹکنے کا نہیں کچھ شبہ ہے
ہے نہیں بے رہنما کے کاروانِ لیکھ رام

کام جو تحریر اور تقریر کا ہیں کر رہے
سینکڑوں میں ہمخیال و ہم زبانِ لیکھ رام

مانا یہ مُردہ نہیں ہوگا کبھی اُس کا مشن
پر تمہارا فرض کیا ہے ہو دوستانِ لیکھ رام

کیا یہی خدمتگذاری ہے شہید و نیکی بھلا
تم جو لفظی طور پر ہو مدح خوانِ لیکھ رام

یادگار اُسکی رسالہ تھا جو ہے وہ نیمجاں
دیکھنے اسکو نہیں کیوں قدردانِ لیکھ رام

تیرہ چودہ سال میں تم ہو کر جاؤ اُسے
کیا یہی تھی عاشقی ہے عاشقانِ لیکھ رام

اسقدر جلدی بھلا دیگی سبھا دل سے اُسے
تھا نہیں ہرگز بھی یہ وہم و گمانِ لیکھ رام

ہو نہیں سکتی کمی اُسکے خریداروں میں پھر
ہے جو مضمونوں میں اندازِ بیانِ لیکھ رام

کاش اپنی ہڈیاں بھی ہوں نہ امتؔ ہم پر
جس طرح قرباں ہوئی ہیں استخوانِ لیکھ رام

چھ مارچ کی شام اور ہمارا فرض

(از مہاشہ چرنجی لال جی پریم)

شام چھ مارچ پھر اُن سنج کھانے کے لئے
آہ ہمارے درمیاں سے آج تھا وہ اٹھ گیا
سو گیا آرام کی نیند آج تھا وہ نیک نام
جان کی پرواہ نہ تھی جسکو دھرم پرچار میں
تیغ سی چلتی زباں تھی جسکی ردِ کذب میں
آہ قاتل نے کیا ہم سے اُسے آکر جدا
خضر جسکو وہ جسے لایا تھا تا آبِ حیات

خون رو لینے کے لئے آنسو بہانے کے لئے
رات دن مرتا تھا جو ہم کو اٹھانے کے لئے
رات دن جاگے تھا جو جگ کو جگانے کے لئے
تھا مسافر ہر طرف تیار جانے کے لئے
خنجرِ کذاب آئی چُپ کرانے کے لئے
جسکی خواہش تھی اُسے ہم سے ملانے کے لئے
آبِ خنجر وہ اُسے لایا پلانے کے لئے

آہ اس سے ہو گیا بڑھ کر کے ہو محسن کشی
تھا برے قاتل کو شاید تیری ہمدردی پہ شک
یتیں گزریں نہ ہونے ہم سے جدا گو آپ کو
غم میں لیکن ہو گیا ہے تیرے مبتلا سارا جہاں
عیف ہم نے قدر کچھ تیری شہادت کی نہ کی
ہو گئے مردہ ہیں پھر تیری شہادت بھول کر
وید کے پرچار میں بیتہ مگر اب کون ہو
کون جائے کابل و روم و عرب پرچار کو
عاشق وید مقدس تجھ سے اب نایاب ہیں
کوئی اب ہوتا نہیں سینہ سپر تکلیف میں
کام اب تحریر کا ہو بند بالکل اک طرح
شانتی کا کون سندیسا جہاں میں لیکر جائے
پیروان مہرشی ہے کیا یہی طرز وفا
کچھ تو غیرت چاہئے کچھ تو ہمت چاہئے
آؤ اب غفلت کو چھوڑو ہو کھڑے دھرم میں
آپ پر آنکھیں لگی ہیں کل جہاں کی آریو
سینکڑوں تشنہ لبان دہرم ہیں بیشمار ہیں
ہے تڑپتا دور سے اندھکار کے سارا جہاں
لیکھرام آسا کرو وہ کام جس سے نام ہو
ہو نہیں تو یادگار لیکھرام نیک نام
اے شہید باوفا دنیا کو یہ معلوم ہے
تیرے ہی نقش قدم پر کیا اب نکلیں گے ہم
نسل انساں کو سنائیں گے پیام شانتی

جان دے وہ جس کے مرتے ہوں جلانے کیلئے
پھاڑ کر دیکھا جو پہلو آزمانے کے لئے
ہو مگر دل میں ہمیشہ یاد آنے کے لئے
درد تھا دل میں ترے جب کل زمانہ کے لئے
رنج فرقت بھول بیٹھے عیش اڑانے کے لئے
جن کی خاطر جان دی تو نے جلانے کے لئے
آریوں کی عمر ہے کھانے کمانے کے لئے
ہے نہیں کافی جگہ لڑنے لڑانے کے لئے
ایک وہ باقی ہیں سو سوگند کھانے کے لئے
ڈھونڈنے لگتے ہیں کونے منہ چھپانے کیلئے
تھی مسنی تیری وصیت بھول جانے کے لئے
ہے ضرورت غیر کی ہمکو منانے کے لئے
کیا یہی منہ ہے زمانے کو دکھانے کے لئے
کیا ہوئے پیدا تھے بس ہم شرم کھانے کے لئے
زندگی سمجھو دھرم پر جان گنوانے کے لئے
آپ پر بیٹھے ہیں مالی و زر لٹانے کے لئے
جاؤ نکلو گھر سے وید امرت پلانے کے لئے
چاہئے کچھ درد دل آنسو بہانے کے لئے
کارنامے ہوں زمانے کے فسانے کے لئے
کچھ تو ہمت کیجئے اس کا کہانے کے لئے
زندگی تیری تھی شمع راہ دکھانے کے لئے
وید کا اپدیش عالم کو سنانے کے لئے
راہ و ربط اتحاد ان میں بڑھانے کے لئے

پھر سے دنیا میں جگی پریم کی گنگا دھن	سوختہ تن دین میں کود نگے نہانے کے لئے
فرق ہندو مسلمان عیسائی سب جانیگا بس	لوگ ہونگے مضطر [illegible] کے لئے
زندگی میں آپکو جیسا جگانا تھا بہت ہے	روز قتل اسکا ہے آیا ابھی جگانے کے لئے
اب نہ سو جانا پربھو کیواسطے پھر جاگ کر	پھر بھلا کون آئیگا ہم کو نہلانے کے لئے
کر دیا برباد ہے اس خانہ جنگی نے ہمیں	ہم نہیں قابل کسی کو منہ دکھانے کے لئے
وہ جو ہم سے چھن گیا تھا آج آکے لا دیں	آؤ ہم اپنے پھر سے بل جٹیں لانے کے لئے
ہے دیا مے ہم میں پیدا اگر ہزاروں لیکھرام	دھرم کی راہ میں خوشی سے سر کٹانے کے لئے

پریم کی پرماتما سے ہے دعا صبح و مسا

جان مثلِ لیکھرام ہو گا [illegible] کے لئے

دھرم ویر پنڈت لیکھرام جی کی شہادت

(از مہاشہ جگن ناتھ جی موہن)

حالت بیتابیٔ دل کیا کہوں چشم پرنم سے ہیں جاری اشک خوں

فرط درد و غم سے تا لب پر سکوں - جی میں ہے جو بات کیونکر کہہ سکوں

جا لگا ہے پھر دامن صبر و قرار

داغ دل تازہ ہوئے آئی بہار

[illegible] سوز و الم کیا کروں [illegible] درد دل پیہم

ڈھا رہا [illegible] تیغ ستم جی میں [illegible] آج ہم

[illegible]

[illegible] یاد [illegible] آج

[illegible] لیکھرام [illegible] کشمیر [illegible]

[illegible] نیک نام [illegible] لطف و کرم

خلق عالم سے کنارہ کر گیا
داغِ ہجراں دل پہ سب کے دھر گیا

صدمہ جان سوز ہے اے ہمنشیں | لب پہ ہے آئی ہوئی جانِ حزیں
اضطرابِ دل کو کچھ تسکیں نہیں | چارہ سوزِ دردِ دل ہے کہیں

بند ہوں کیونکر لبِ فریاد آج
پھر ہوئی تازہ ستم کی یاد آج

کیوں نہ ہم آنسو بہائیں دل فگار | کیوں نہ غم سے روئیں ہم زار و قطار
ہو نہ دل سینہ میں کیوں یوں بیقرار | ہوں نہ کیونکر آج آنکھیں اشکبار

مضطرب دل کس طرح پائے قرار
آرہی ہے یاد پھر صاحب کی دھار

آج وہ سرمایۂ نازِ جہاں | ہمت و غیرت کا بحرِ بیکراں
ہیبتِ اعدا و فخرِ دوستاں | بلبلِ شیریں مقالِ خوش زباں

غوطہ دریائے بقا میں کھا گیا
سوئے ملکِ جاوداں راہی ہوا

علمیت کا اک گہر تھا لیکھرام | لذتِ شیریں ثمر تھا لیکھرام
ہر جگہ سینہ سپر تھا لیکھرام | وہ تو اک شیرِ نر تھا لیکھرام

مردِ میداں تھا کوئی بزدل نہ تھا
کارِ پیچیدہ اُسے مشکل نہ تھا

اُسکی ہمت کی جہاں میں دھوم تھی | دھاک اک عالم میں تھی اسکی بندھی
اے شہیدِ قوم ہے بے شک تری | خون سے لکھنے کے قابل ہسٹری

تھا فنا فی القوم تو وہ نامدار
تا ابد جس کی رہے گی یادگار

رات کو تھا چین سے سونا محال | قوم کی خدمت کا تھا اتنا خیال

اسکی ہمت کا عزیزو تھا یہ حال — اک قدم دشمن تھا اک سوئے کمال
ہوش تھی کب اسکو جسم زار کی
تھی لگن ہر دم لگی پرچار کی

درد کی شدت سے تھا لاچار جب — موت کے آ پہنچے تھے آثار جب
ہو گئی کم طاقت گفتار جب — تھا مسافر سفر کو تیار جب
کاروانِ ہستی لگا پا شیدار
ہو گیا منزل کی جانب جب تیار

تھا شہید تو کم اسے دم یہ خیال — کچھ نہ تھا بیوی کا بچوں کا خیال
فکر دنیا سے تھی آزادی کمال — کچھ نہ تھی پروا و گنج و سیم و مال
تھی گرانی دل پہ فکر قوم سے
بولے دم آخر وہ فرمانے لگے

آریو رہنا تم اس کے پابند — بھولنا ہرگز نہ پند سودمند
یاد میں رکھنا سدا اے دردمند — کام ہو تحریر کا ہرگز نہ بند
ہے یہ اک گیا مقام فکر و غور
تھا دم آخر جو اس کا طرز طور

پیٹ میں تھا تیغ جوں چبھا — تھا وہ کیا نظارہ ماتم فزا!
شدت کی شدت سے دم میں دم تھا — پر یہ دیکھو شیر کا حوصلہ
تھی زباں پر اس کے تحریر وید حق
پیٹ میں خنجر تھا لب پر وید حق

آریو اس نے تمہارے واسطے — جانتے ہو کس قدر صدمے سہے
عیش و عشرت زندگانی کے مزے — آپ کے سر پر سے قرباں کر دیے
جیتے جی خدمت تمہاری تھی سدا
مرتے دم لب پر تمہارا ذکر تھا

ہے مگر یہ ڈوب مرنے کی جگہ   چھوڑ بیٹھے ہو تم اُس کے نقش پا
جوش و ہمت کچھ نہیں باقی رہا   ہے بس اب پرماتما کا حافظ خدا
اس سبھا کو نہ بار داستے دوستو

دیکھو کر جا لیکھرام تمہاری آریو
ہے شہید یہ قوم کی روح سبھا غزار   راکھ سے ہیں اُٹھ رہے اس کی شرار
جس نے پتھا پر چار کا وار و ادار   مشن سے اُس کے جو حامی دیار
خواب غفلت میں پڑے بیہوش ہیں
ہو گئے ٹھنڈے سب انکے جوش ہیں

دھرم سبیر پنڈت لیکھرام جی آریہ مسافر کے جیون چرتر پر ایک نظر

ہزاروں آدمی اس دُنیا میں آتے ہیں۔ اور چند روز اپنا کرم پھل بھگت کر کوچ کر جاتے ہیں۔ سینکڑوں غیر معمولی واقعات اُنہیں پیش آتے رہتے ہیں۔ وہ اُن سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ انکی زندگی اور موت اہل دنیا پر کوئی خاص اثر پیدا نہیں کر سکتی۔ مرنے پر وہ حرف غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں۔ اُن کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہتا۔ کسی خاص تعلق یا سلسلہ میں اُن کا ذکر آجائے۔ تو اور بات ہے۔ ورنہ انکی ہستی کی یاد بھی کسی کو نہیں رہتی۔ لیکن جن اشخاص میں ایشوری گیان کو جذب کرنے کی خاص شکتی اور ایشوری آگیاؤں کو پالن کرنے اور کرانے کی خاص طاقت موجود ہوتی ہے۔ وہ اپنے اس خاص مشن کی تکمیل کے لئے نہیں نہیں۔ ایشوری احکام کی تعمیل کے لئے دُنیا میں آتے ہیں۔ وہ ان عجائبات دُنیا کی معمولی معمولی

کا۔ سدا انہوں کو دیکھ کر ایسے ایسے اہم نتائج اخذ کر لیتے ہیں۔ کہ معمولی عقل کے انسانوں
کو سخت حیرت ہوتی ہے۔ ایسے ہی تحقیق پسند اصحاب نے جیون کو ایک عجیب پہیلیا دیکھی
ہے۔ اور حقیقت کے متلاشیان حق کے جسم پر ایک نئی روح پھونک دیتی ہے۔ اس قسم کے انسان
اپنی زندگی میں بیشمار انسانوں کے لئے راہنما باہمت اور اعتبار و عزم کے سچے اور دھرم کے
آسمان پر روشن ستاروں کی طرح چمکتے رہتے ہیں۔ اکثر اوقات وہ برباد ہو جاتے ہیں
کیونکہ وہ اپنے اعتقاد راستی کو بالکل بےخوف و خطر ہو کر ظاہر کرتے ہیں۔ اور دیگر بھائیوں
کو تحقیقات راستی کی بے دھڑک دعوت دیتے ہیں۔ اس اظہار راستی کے لئے سخت سے
سخت دنیاوی عذاب اور اذیت برداشت کرتے ہیں۔ کوئی لالچ انہیں اس ستیہ مارگ سے
گمراہ نہیں کر سکتا۔ ستیہ کے پرچار پر اپنا تن من دھن نچھاور کرتے رہتے وہ آخر کو اپنے
پران بھی اس کے ارپن کر دیتے ہیں۔ مگر اپنے ارادے سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹتے۔ انکی
اس ملک مثال سے دیگر انسانوں کے دلوں میں سچا جوش، استقلال اور ستیہ پر ڈٹے رہنے کا خیال پیدا
ہوتا ہے۔

سر آئزک نیوٹن نے درخت سے ایک سیب گرتے دیکھ کر کشش زمین کا مسئلہ دریافت
کر لیا۔ جارج سٹیفنسن نے بھاپ سے دیگچی کا ڈھکنا اڑتے دیکھ کر بھاپ سے کام لینے کی
ٹھان لی۔ اگرچہ اس زمانہ میں ان کے اس خیال کو دیوانہ پن قرار دیا گیا۔ اور سخت سے سخت
مخالفت ہوئی۔ لیکن کسے معلوم نہیں کہ انہی دو قوانین قدرت کے معلوم ہو جانے سے
آج مغربی دنیا کا دماغ کیا کیا عجیب کرشمے دکھا رہا ہے۔ اور اسے دیگر اقوام دنیا کا سرتاج
بنائے ہوئے ہے۔

سقراط مسموم ہوا۔ حضرت عیسیٰ مصلوب ہوئے۔ ہزاروں زندہ جلائے گئے لیکن وہ
اظہار صداقت سے ذرا نہیں جھجکے۔ انکی اس مستقل مزاجی سے دیگر انسانوں کو بھی صداقت
پر چلنے کا حوصلہ اور استقلال ہوا۔ اسی قسم کے بزرگوں کے نام امر ہیں۔ خواہ وہ ہزارہا بلکہ
لاکھوں برس سے اس دنیا میں موجود نہیں۔

اسی قسم کی سنسکرت آتماؤں میں سے اس زمانہ میں شری سوامی دیانند جی مہاراج ویدک

گیان اور ویدک کرم کانڈ کو پرکاش کرنیوالے ہوئے۔ انکی پرکاشت کی ہوئی ویدک
نیتی سے منور ہوکر دو اور بلوان آتمائیں یعنی شریمان پنڈت گورودت جی اور پنڈت لیکھرام
جی اپنا خاص مشن پورا کرنے آئے اور اپنے ویدک آچاریہ کی طرح ویدک دھرم پر اپنی
جانیں قربان کردیں۔

اس مضمون میں ہم ویدک دھرم پر تیسرے بلیدان یعنی

پنڈت لیکھرام جی کے جیون اور شہادت

کا کچھ ذکر کیا چاہتے ہیں۔ شاید اسی امرت ورشا سے پژمردہ دلوں میں کچھ تروتازگی
آجائے۔

سمت ۱۹۱۵ مطابق ۱۸۵۹ء میں ضلع جہلم کے ایک چھوٹے سے گاؤں سیدپور میں پنڈت
جی کا جنم ہوا۔ پانچ برس کی عمر میں وہ داخل مکتب ہوئے۔ اور دس برس تک تحصیل علم کرکے
آپ اپنے چچا صاحب کے پاس جو اسوقت پشاور میں سب انسپکٹر پولیس تھے چلے گئے
زمانہ طالبعلمی میں ہی آپ بڑے مستقل مزاج اور فہیم تھے۔ اسوقت کون جانتا تھا کہ
یہی لیکھرام کے لیکھ مذہبی دنیا میں تہلکہ مچادیں گے۔ پولیس میں ملازم ہوکر رفتہ رفتہ
نقشہ نویس سارجنٹ تک ترقی کر گئے۔ شروع سے ہی آپ کو ایشور بھگتی اور تحقیقات کا
شوق تھا۔ ایک سکھ بھگت سے گوبند گیتا پڑھکر کرشن جی کا جاپ کیا کرتے اور
ایک وقت اپنے ہاتھ سے بھوجن بنا کر کھایا کرتے تھے۔ بعض دفعہ آپ سمادھی بھی
لگایا کرتے تھے۔ انہی ایام میں منشی کنہیا لال الکھدھاری کے ایک رسالہ میں
شری سوامی دیانند جی مہاراج کا ذکر پڑھ اور دیگر اشتہارات کے ذریعہ اس کی
تصدیق کرکے آپ نے سوامی جی کی پستکیں منگا کر مطالعہ کیں اور ۱۸۸۱ء میں پشاور میں
آریہ سماج قائم کر کے سوامی جی کے درشن ارتھ اجمیر پہنچے۔ اور اپنے تمام شکوک
نوارن کئے۔ [illegible] رسالہ [illegible] وغیرہ [illegible] کی
خوب ہی تردید کرتے تھے۔ باوجود قلیل آمدنی کے آپ نے ایک اخبار کو جاری کرنے کی

بہتیری کوشش کی مگر آریہ سماج پشاور کی مالی حالت کمزور ہونیکی وجہ سے یہ اخبار
بند کرنا پڑا۔ آپ بڑے آزاد طبیعت تھے۔ کسی قسم کے دھوکہ و فریب سے سخت
نفرت تھی۔ اس لئے صاف صاف کہنے میں وہ کسی سے بھی جھجکا نہیں کرتے تھے
آپکی اس صاف گوئی سے بعض اصحاب ناراض تھے۔ مگر آپ کبھی اس قسم کی باتوں کو
خاطر میں نہیں لایا کرتے تھے۔ آپ نے چوبیس برس کی عمر میں شریمتی لکشمی دیوی
سے بیاہ کیا۔ ان کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا۔ جو چھوٹی اوستھا میں ہی مر گیا۔

ایسی آزاد آتما غلامی کے بندھنوں میں کب تک رہ سکتی تھی۔ ۱۸۸۴ء میں ملازمت چھوڑ
لاہور میں آگئے۔ اور سنسکرت دیاکرن سیکھنے میں بڑی کوشش کرنے لگے۔ پھر آریہ گزٹ
فیروزپور کے ایڈیٹر ہو گئے۔ اور پرچار کا کام زبان اور قلم سے کرنے لگے۔ آپکی محنت اور
جفاکشی کا اندازہ صرف اسی بات سے ہی لگ سکتا ہے۔ کہ باوجود چار، پانچ ہزار صفحوں
کی تینتیس کتابیں لکھنے کے آپ بھارت ورش کے ایک سرے سے دوسرے سرے
تک ویدک دھرم کا سندیسہ پہنچاتے رہے۔ جب آپکو سوامی جی کا جیون چرتر تحقیق
کرکے لکھنے کا کام سپرد کیا گیا۔ تو آپنے علاوہ تحقیقات کے پرچار کا کام بھی برابر جاری
رکھا۔ اسوجہ سے کہ آپ زیادہ تر سفر میں ہی رہتے تھے۔ آپ آریہ مسافر کہلانے لگے

دوران تحقیقات میں نہ آپنے گرمی اور سردی کی کچھ پرواہ کی۔ اور نہ آرام و تکلیف
کا کچھ خیال کیا۔ بعض اوقات آپکو بھوکے اور پیاسے بھی دن کاٹنے پڑے۔ گھبراہٹ
آپکے پاس نہیں پھٹکتی تھی۔ جس کام کو شروع کرتے تھے خواہ وہ کیسا ہی مشکل
کیوں نہ ہو اسے پورا کئے بغیر کبھی نہ چھوڑتے تھے۔ بھلا اس سے بڑھکر بھی کوئی
مستقل مزاجی ہو سکتی تھی۔ کہ آپ گو انگریزی دان نہ تھے۔ مگر آپکی کتب میں انگریزی
کتابوں کے ایسے ایسے قیمتی اور نایاب مضامین ملتے ہیں جو بڑے بڑے تعلیم یافتہ
لوگوں کو بھی معلوم نہیں۔ ہر وقت دل میں تحقیقات کا شوق جوش زن رہتا تھا۔ اور
جس ممکن ذریعہ سے بھی ہو سکے اپنا مطلب حاصل کر لیا کرتے تھے۔ نڈر آپ ایسے
تھے کہ سینکڑوں مسلمانوں کے درمیان میں کھڑے ہو کر تردید اسلام کیا کرتے تھے

اور کسی قسم کی دھمکی یا مخالفت کی کچھ پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔
مصطفیٰ آباد ضلع انبالہ کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر چار پانچ مولوی اور مسلمان بغرض انتقام آئے مگر آپنے ایسی خوبی سے اسلام کا کھنڈن کیا۔ جیسا کہ انکی عدم موجودگی میں کیا کرتے تھے۔ اسپر بھی وہ ان دنوں تن تنہا باہر سیر کو جایا کرتے تھے۔ آپکا یہ مقولہ تھا کہ مرنا تو مثل چولا بدلنے کے ہے۔ اس لئے مجھے اس کا کچھ فکر نہیں۔ بلکہ میرا ارادہ ہے کہ اگر ممکن ہوا تو فارس۔ عرب اور روم وغیرہ ممالک غیر میں جاکر پرچار کرونگا۔

طرز تقریر

سوامی جی کے لئے آپ کے دل میں بڑی شردھا تھی۔ آپکو وید اور رشی دیانند سے کچھ ایسا پریم تھا۔ کہ آپ اویدک کارروائیوں کو دیکھ کر یا اویدک سدھانتوں کو سنکر خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ بلکہ آپکے دل پر ایک سخت چوٹ لگتی تھی۔ اس لئے آپ بعض اوقات مخالفین کی اس کمزوری کو معاف نہیں کر سکتے تھے لیکن یہ بات صرف آپکی تقریر تک ہی محدود تھی۔ تقریر میں اس قدر سخت ہونے کے باوجود بھی آپکا دل بڑا نرم تھا یتیموں کی حالت زار اور بیواؤں کی خستہ و خراب حالت یا کسی اور درد مند دل کی آہ کا اثر اس پر بہت جلد ہوتا تھا۔ اور آپ انکی ہر طرح سے حسب طاقت امداد کو تیار ہوجاتے تھے۔

طرز تحریر

آپکی تحریر میں ایک خاص خوبی یہ ہے۔ کہ اس میں کسی مذہب کے بانی بزرگ یا پیرو پر حملہ یا نامعقول اعتراض نہیں ہے۔ اور نہ اپنی طرف سے خود بخود کسی خاص مذہب کے برخلاف کچھ درج ہے۔ جسقدر بھی آپکی تحریر ہے۔ وہ مخالفین کے ویدک دھرم پر سخت سے سخت اعتراضات کا جواب باصواب نہایت معقولیت اور سنجیدگی سے دیا گیا ہے۔ پگ پگ پر یکتی اور پرمان سے پشتی کی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ آپکی سب تحاریر ویدک (سندر) دھرم کی رکشارتھ (Defensive) یعنی حفاظت خود اختیاری کو لئے ہوئے ہیں۔ ابتداء آپ کی طرف سے کبھی نہیں ہوئی۔ جو کتب آپنے عام مضامین

کی لکھی ہیں۔ وہ کسی خاص مت کے خلاف نہیں۔

تصانیف

آپ نے عیسائیوں کے متعلق سات۔ مسلمانوں کے بارے میں گیارہ۔ ہندو دھرم بالوراکہ مت کے متعلق ہیں چھ۔ اور مفید عام مضامین کی لکھی ہیں۔ ذیل میں تین نقشے دئیے جاتے ہیں جن کے مطالعہ سے آپ پر واضح ہو جائیگا کہ کسی ہندو یا آریہ نے جب قلم اٹھایا ہے۔ وہ مخالفین کی تحاریر کا جواب دینے کیلئے نہ کہ خواہ مخواہ کسی کو چھیڑنے کیلئے یہ غلط اور سراسر غلط ہے کہ آریہ سماج نے کسی مذہب پر حملہ کرنے میں پیشقدمی کی۔ البتہ اپنے دھرم کو ڈیفنڈ کرنا اور غیروں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنا اس کا کام ہے۔ اگر مخالفین کے حملوں کا جواب دینا ہی حملہ یا اعتراض سمجھا جاتا ہے۔ تو بیشک آریہ سماج قصوروار ہے۔

نقشہ نمبر ۱۔ آریہ سماج کے جنم سے پندرہ سال پیشتر اور کسی قدر مابعد کی مذہبی چھیڑ چھاڑ۔

مسلمانوں کی طرف سے حملہ

نمبر شمار	نام کتاب	اسم مصنف	نوعیت مضمون
۱	تردو ہنود	•	ہندوؤں کے دیوتاؤں اور بزرگوں کی لغو بے بنیاد مذمت (پہلا حملہ تحریری)
۲	تحفۃ الہند	نو مسلم عبداللہ	مذمت دین ہنود بتعلق سابق مصنف۔ دوسرا تحریری حملہ۔
۳	معیار الہدی	گمنام مسلمان	ہندوؤں کے دیوتاؤں اور بزرگوں کو خوب صلواتیں سنائی گئیں۔ اور پانی پی پی کر کوسا گیا
۴	ہدیۃ المستقیم	•	
۵	سوط الجبار	•	مضمون متعلق سابق۔
۶	لذت ہنود	•	توہین ہندو دھرم

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نوعیت مضمون
۶	تیغ نذیر بر گردن تہذیر اور حق گوئی بشرح سلطانی	〃	〃
	مندرجہ بالا کتابوں کی نسبت ہندوؤں کی طرف سے جواب		
۱	تحفۂ سلطان	۰	سنہ ۱۸۹۶ء یا اس کے قریب محض حفاظت خود اختیاری کیے گئے۔
۲	تحفۂ اہل اسلام	منشی [illegible] مراد آبادی	اسلام کی ایسی تحاریر سے ہندوؤں کو متنفر ہوتے دیکھ کر غلط فہمی دور کرنے کے لئے
۳	حملہ ہند	〃	معقول و مدلل تردید
۴	صمصام ہند		ہر دو کتب
۵	اندر وجر		ان تینوں کتب کے جواب میں اندر وجر کی تحریر سے گھبرا کر مسلمانوں نے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور مجسٹریٹ مراد آباد نے مسلمانی اخبار جام جمشید کی تحریک پر بلا دریافت حقیقت منشی جی پر پانسو روپیہ جرمانہ کر دیا۔ اور کچھ کتابیں تلف کر دیں ہائی کورٹ سے یہ فیصلہ منسوخ ہوا۔

اس نقشہ سے ظاہر ہے کہ آریہ دھرم کی توہین میں اسلام نے پیشقدمی کی اور آریہ دھرم نے محض اپنی ڈیفنس کی۔

عیسائیوں کے پرچار کا یہ ایک ڈھنگ بھی ہے کہ ہندو دھرم کو عیوب سے بھرا ہوا اور عیسائی مت کو خوبیوں کا ذخیرہ دکھلایا جاوے۔ ہندو دھرم کو نہایت بھدی شکل

میں پیش کرتے ہوئے اسکی دھرم پستکوں کو شہوت پرست فسانے اور بیہودہ افسانہ مبالغہ
کہانیوں کا مجموعہ دکھایا گیا ہے۔ کرشن جی اور کا دیو کا اوتار اور اسکی تعلیم کو فحش قرار دیا گیا ہے اور
جنگی لوریوں کی بنا پر سخت حملے کئے گئے ہیں۔ عیسائی مت کی اصلیت سے ناواقف ہندو
تعلیم یافتہ جماعت اپنے آبائی دھرم سے بدظن ہونے لگی۔ ایسی حالت میں ہر ایک سچے
آریہ دھرم کے شیدائی کا فرض تھا۔ کہ عیسائی مت کو اس کے اصلی رنگ میں دکھلایا جاوے۔ بحالت
موجودہ سوامی دیانند جی نے اس ناگوار فرض کو اپنے ذمہ لیا۔ اور ستیارتھ پرکاش میں اس
مت کی تحقیقات کی پڑتال کی۔ اور وہ بھی نہایت تہذیب یافتہ طریقہ میں۔ سوامی جی کی عیسائی
مت کی نکتہ چینی کا مستحق ہی غیر مشتبہ نتیجہ نہیں ہے۔ جو خود بعض عیسائیوں کی طرف سے
تسلیم ہوئی ہے۔ یہی حال سوامی جی کی طرف سے اسلام پر نکتہ چینی کا ہے۔ اول تو مسلمانوں
نے آریہ دھرم کی توہین کی ہی تھی۔ لیکن جب شری سوامی دیانند جی مہاراج نے وید مقدس
کا وعظ شروع کیا۔ تو مولوی محمد قاسم نے آپکے ساتھ چھیڑ شروع کی۔ پھر ان کے
دو ہر دو کئی مولویوں نے وید مت پر بے بنیاد اعتراض کر کے انکی شان میں گستاخانہ کلمات
اخبارات میں شائع کرائے۔ اس طرح سے جب ان جوشیلے مولویوں نے سوامی جی کو
چین نہ لینے دیا تو لاچار انہوں نے قرآن کو اچھی طرح مطالعہ میں لا کر ایسی معقول تردید کی
کہ مسلمانوں سے تا قیامت اس کا جواب بن نہ آئیگا۔ سوامی جی کے بعد پنڈت جی نے
عیسائی مت اور اسلام کی خوب پڑتال کی۔ جس کا نتیجہ یہ تصنیفات ہیں۔

نقشہ نمبر ۲۔ عیسائیوں کی طرف سے ہندو دھرم پر حملے۔

عیسائیوں کی طرف سے حملہ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نوعیت مضمون
۱	اعلاء الالہام	ایلین ہیوم	برہمو سماج نے تردید الہام میں شائع کی
۲	تبیین حق	لدھیانہ مشن سوسائٹی	اعتراض

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نوعیت مضمون
۲	مباحثہ	مابین سید غلام حیدر شاہ عیسائی اور پنڈت جی	نجات
۳	رگوید پر اعتراض	پادری عبداللہ آتھم	"
۵	یوگ پر اعتراض	پادری ٹی ولیمس	"
۶	چھ لکچر	پادری ٹھاکر داس	مختلف مضامین

آریہ سماج کی طرف سے جواب

۱	صداقت الہام	آریہ مسافر	
۲	سچے دھرم کی شہادت	"	
۳	نجات کی حقیقت	"	
۴	صداقت رگوید	"	
۵	مسئلہ یوگ	"	
۶	صداقت اصول و تعلیم آریہ سماج	"	
۷	کرسچین مت درپن	"	انجیل کی بابت مفصل تحقیقات

پنڈت جی نے محض عیسائیوں کے شائع کردہ رسالوں اور اعتراضوں کے جواب میں چھ کتب لکھیں۔ ساتویں کرسچین مت درپن میں عیسائیت کے اصولوں کو اچھی طرح ظاہر کرکے مناسب تردید کی گئی ہے۔

نقشہ نمبر ۳ - مسلمانوں کی طرف سے فریب حملے۔

صفحہ ۱۸ دیکھو

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نوعیت مضمون
۱	براہین احمدیہ	مرزا غلام احمد قادیانی	توہین وید مقدس
۲	سرمہ چشم آریہ	مرزا صاحب اور انکے	آریہ بزرگ اور سوامی دیانند جی مہاراج
۳	اعتراضات	شاگرد رشید مولوی نور الدین	ویدک دھرم پر بیجا حملے۔
۴	چار رسالہ	مولوی ابو رحمت حسن	برخلاف آریہ دھرم
۵	وید مقدس کی حقیقت	"	وید مقدس پر اعتراض
۶	مسئلہ جہاد۔ رسالہ جہاد الجانہ تہذیب اسلام و تفسیر قرآن۔	سر سید احمد خان صاحب	اس خیال کی تائید میں کہ اسلام دنیا میں بزور شمشیر نہیں پھیلا۔
۷	تنبیہ الہند	مولوی عبید اللہ	منو و ید دھرم پر فحش اعتراض۔
۸	عدم نجات آریہ	مولوی محمد خلیل صاحب	اعتراض
۹	مسئلہ چارہ	مولوی عبد المجید	"
۱۰	خلعت اسلام	"	اعتراضات جو بمقام نمبر کیے
۱۱	"	"	

پنڈت جی کی طرف سے جواب

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نوعیت مضمون
۱	تکذیب براہین احمدیہ	آریہ مسافر	مخالفین کے اعتراضوں کا دنداں شکن جواب اور اسلامی تعلیم کا فوٹو اپنی تمامیت سے کھینچا گیا ہے۔ کہ بابید و تابید۔
۲	نسخہ خبط احمدیہ	"	"
۳	ابطال بشارات احمدیہ	"	
۴	اظہار حق	"	جواب باصواب

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نوعیت مضمون
۵	رسالہ جہاد	آریہ مسافر	مسئلہ جہاد کی خوب پول کھولی گئی ہے
۶	تحفۃ الاسلام	"	تردیہ اور قرآن اور پوران میں مشابہت
۷	رد سنجات	"	
۸	صداقت دھرم آریہ	"	پنڈت جی کی حین حیات میں مولوی صاحب سے کوئی جواب بن نہ آیا۔ بعد میں تصدیق صدقہ جا۔ یہ لکھا تھا جس کا جواب مہاشے پانی پتی جی نے کئی سال گزرے دیدیا تھا۔
۹	رد خلعت اسلام	"	
۱۰	آئینہ شفاعت بزبان فارسی		مسلمانوں کی خدمت میں اپیل کہ وہ ویدک دھرم کے جھنڈے تلے آجاویں۔

یہ نقشہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ پنڈت جی نے مسلمانوں کی تیرہ کتب کے حملوں کا دس کتابوں میں جواب دیا ہے۔ گیارہویں محض ایک اپیل کی۔ ابتداء ہر حالت میں مسلمانوں کی طرف سے ہوئی۔

اس طرح سے جب پنڈت جی کے مقابلہ میں مسلمانوں کی قلم ٹوٹ گئی۔ اور بڑے بڑے مسلمان عالم اور فاضل آریہ مسافر کے زبردست اعتراضوں کا جواب دینے سے عاجز آگئے تو لاچار عدالت کی شرن لی۔ اور دہلی میں پنڈت جی پر توہین مذہب کا دعوے دائر کر دیا۔ مسلمانوں کے ڈیپوٹیشن نے پنڈت جی کی تصانیف کے جن حصص کو زیادہ سخت بتلایا تھا۔ جب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر دہلی نے بغور سنا تو یہی رائے قائم کی۔ کہ پنڈت جی نے یہ کتب جواباً تحریر کی ہیں۔ اور وہ بھی ایسی معقولیت اور قابلیت سے

کہ قانونی گرفت میں آنا تو درکنار بلکہ ہر ایک منصف مزاج شخص کو مصنف کی لیاقت کی داد دینی پڑتی ہے۔ مسلمانوں کی درخواست پر دو تین دفعہ گورنمنٹ صاحب بہادر سپرنٹنڈنٹ پولیس نے پنڈت جی کی کتابوں کی پڑتال کرائی اور ہر دفعہ اسی نتیجہ پر پہنچے۔ کہ مصنف اپنے مذہب کا ایک جوشیلا محافظ ہے۔ لیکن اسکی کوئی تحریر جائز حد و د قانون سے متجاوز نہیں معلوم نہیں۔ پھر کیوں ہمارے مسلمان اور عیسائی بھائی آریہ صاحبان اور آریہ سماج پر بیجا سختی کا الزام لگاتے ہیں۔ اور خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر کیوں نہیں دیکھتے۔ جبکہ وہ الفاظ جو مسلمان مصنفین نے آریہ دھرم اور آریہ بزرگوں کی شان میں استعمال کئے اور کر رہے ہیں۔ بدرجہا سخت اور نالائق ہیں۔

پورانک مت کے متعلق چھ کتب

پوران دو ہزار برس کے اندر اندر زمانہ جاہلیت کی تصانیف ہیں۔ پراچین ویدوں سے انہیں سوائے اس کے کوئی تعلق نہیں۔ کہ ان میں کہیں کہیں ویدوں کی تعریف اور ویدک اصولوں کی جھلک پڑتی ہے۔ جو مثل زہر آلودہ شیرینی کے ہے جسمیں زیادہ جزو زہر کا ہے۔ ان میں رشی منیوں اور دیگر بزرگوں اور مہاتماؤں پر فحش سے فحش الزام لگائے گئے ہیں۔ اور لغویات و ناممکنات سے پر ہیں۔ اور موجودہ آریہ (ہندو) دھرم میں جو خرابیاں آ چلی ہیں اور یہ ویدک دھرم سے پورانک مت بن رہا ہے۔ وہ سب ان پورانوں کی عنایت کا ہی نتیجہ ہے۔ اس لئے اس غلط فہمی کا دور کرنا نہایت ضروری تھا۔ خاص کر اس صورت میں جبکہ ہندو تعلیم یافتہ صاحبان اصلیت سے ناواقف عیسائی اور مسلمانوں کی طرف سے پورانوں کی تعلیم پر اعتراض ہوتے دیکھ کر غلطی سے ویدک دھرم کو پورانوں کے لچر بیانات سے پر خیال کر کے [illegible] دھرم سے بیزار ہو رہے تھے۔ اور ہزاروں اسے ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر اس [illegible] جدا ہو گئے۔ اور ہو رہے تھے۔ سوامی جی نے مختصر لیکن معقول اور مدلل طور سے پورانوں کی تعلیم کی پول کھولی اور ویدک دھرم کی اصلیت دکھائی اسی سلسلہ میں پنڈت لیکھرام جی نے کتب ذیل لکھیں۔ پوران کس نے بنائے

ولوی بنبا گوت پریکشا ۔ مورتی پرکاش ۔ رامچندر جی کا سچا درشن ۔ عطر روحانی اور سماج گرو کا پنج نہیں ۔ یعنی سوامی جی کی تصانیف پر ایک کانپور کے مہاشے کے اعتراضات کا جواب ۔

مفید عام لوکتب

تاریخ دنیا حصہ اول و دوم میں سرشٹی سمت ۔ آرش گرنتھوں کا زمانہ تصنیف ۔ اس تعلق میں موجودہ مورخین کی غلطیوں کی تردید ۔ چاروں ویدوں کی شروع دنیا میں اتپتی کا ثبوت ۔ قدیم آریہ ورت میں فن تحریر کا رواج ۔ ویدک زمانہ کے متعلق صحیح حالات ۔ پرانوں کی تاریخی منزلت ۔ اور سوت ماسے پرانیج اوقت کی بابت تحقیقات ہر بخوت تناسخ ۔ سمر بیکرشن جی کا جیون چرتر ۔ پرانوں کے لگائے الزامات کی تردید ۔ استری سکشا ۔ استری سکشا کے وسائل ۔ آریہ ہند ۔ اور نمستے کی تحقیقات ۔ آریوں کے لئے ہندو نام کی تردید ۔ مردہ ضرور جلانا چاہئیے ۔ پتت اودھارن ۔ مسئلہ شدھی اپرد اور دھرم پرچار ۔ غیر قوموں میں ویدک دھرم پرچار ۔

آریہ مسافر اور شدھی

یہ بات روز روشن کیطرح ظاہر ہے کہ ہندوستان کے ساڑھے چھ کروڑ مسلمانوں میں سے قریب چھ کروڑ ایسے مسلمان ہیں ۔ جو یا تو بزور شمشیر ۔ یا کسی دنیاوی لالچ میں آکر یا اپنی مرضی سے مسلمان ہوئے ۔ تیسرے قسم کے مسلمان بہت کم ہیں ۔ یہی حال دیگر ممالک کے مسلمانوں اور عیسائیوں کا ہے ۔ خواہ زمانہ کسی قدر ہی کیوں نہ گزر گیا ہو ۔ مگر اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ۔ کہ مہابھارت کے زمانہ سے پیشتر ویدک دھرم کے سوا کوئی اور مذہب نہ تھا ۔ اس زمانہ کے بعد اس میں خرابی آنی شروع ہوئی اور دو تین ہزار برس کے اندر یہ سب مت متانتر پیدا ہوئے ہیں ۔ اس سے پہلے ان کا کوئی نام و نشان نہ تھا ۔ اور بلحاظ منش جاتی کے ہر ایک انسان کا حق ہے کہ ویدوں کے سرچشمہ سے فیضیاب ہو ۔ اس لئے جو بھائی مدت ہوئی ہم سے والسنة یا نا والسنة

یا کسی دباؤ یا لالچ میں آ کر جدا ہو گئے۔ اگر وہ پھر واپس آنے کی خواہش ظاہر کریں تو ان بچھڑے ہوؤں کو چھاتی سے لگا لینے میں کوئی ہرج نہیں۔ خیر یہ تو دور کی بات ہے۔ ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۱ء تک دس سال میں ساٹھ لاکھ ہندو کم ہوئے یا بالفاظ دیگر عیسائی یا مسلمان ہو گئے۔ سوائے اس کے ان مسلمانوں میں جو زبردستی ہندو سے مسلمان بنائے گئے۔ لاکھوں اچھوت اور دیگر ہندو جاتیاں ہندوآنہ رسم و رواج اور نام اس وقت تک قائم رکھے ہوئے ہیں۔ صرف نام کے مسلمان ہیں۔ اور ہزاروں ہندو کسی لالچ کے بس ہو کر عیسائی اور مسلمان ہو گئے اور ہو رہے ہیں۔ کیا ان گمراہ بھائیوں کو اگر ہم لا سکیں تو راہ راست پر لانا برا ہے۔ کیا اگر کسی بھائی سے کوئی غلطی ہو گئی۔ تو اسکی تلافی ہی ممکن نہیں۔ جب ہندو قوم میں سے خرچ ہی خرچ ہوتا رہیگا۔ اور آمدنی کچھ بھی نہ ہو گی۔ تو کیا ایک دن یہ قوم صفحہ ہستی سے نہ مٹ جائے گی۔ انہیں واپس شامل برادری کرنا کوئی ادھرم نہیں جبکہ ہمارے شاستروں میں ایسے بھائیوں کے پرائشچت کرنے کیلئے برابر ہدایات موجود ہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ گزشتہ زمانہ میں بھی ایسا ہوتا رہا۔ شکر ہے جب ہندو قوم نے شدھی کی ضرورت کو محسوس کر لیا ہے۔ ہر جگہ شدھی کی تحریک جاری ہے۔ اور اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے دو تین سال سے ایک شدھی سبھا قائم ہے جس کے رکن اعلے سے اعلے تعلیم یافتہ، صاحب ثروت۔ اور صاحب اثر ہندو ہیں۔ اس سبھا کی شاخ ہر صوبہ میں موجود ہے یا پتت اور ہائن اور نیچ اقوام کی ادتھا سدھار نیکا سوال کبھی نہ کسی شکل میں اہل ہنود کے زیر غور ہے۔ شدھی کی تحریک کی کامیابی یا ناکامیابی ہندو قوم کی زندگی یا موت کا سوال بن رہی ہے۔ نہ صرف آریہ سماج بلکہ سناتن دھرم سبھا بھی شدھی کو عمل میں لا رہی ہے۔ اور بھارت شدھی سبھا، آریہ سماج اور دیگر فرقوں سے شدہ ہو کر ہزار ہا اشخاص ہندو دائرے میں داخل ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ اس کام کامیابی اور ہندو دھرم کی رکھشا کے شبھ کام کا سہرا ہمارے پوجنیہ آریہ مسافر سرگباشی کے سر ہے۔ جنہوں نے سوامی جی کی تحریر پر تحریک شدھی کو عملی جامہ پہنایا۔ جہاں کہیں پنڈت جی کو کسی ہندو کے پتت ہونیکا پتہ ملتا تھا۔ آپ جھٹ وہیں جا موجود ہوتے تھے۔ اور اسے سمجھا بجھا کر دھر

بدارادہ وسمو بانده رکھتے تھے۔ اور آخر کار اسی پاپی شدھی کی آپ نذر ہو گئے۔ سچ پوچھو تو انہیں کی شہادت یہ سب رنگ لا رہی ہے۔ ہمارے بعض ہندو بھائی شدھی کی مخالفت کیا کرتے ہیں۔ دراصل انہیں معلوم نہیں کہ شدھی محض تبدیلی خیالات ہے۔ جو ہم عقلی اور نقلی دلائل سے ایک غیر ہندو کے دل میں پیدا کر کے اسے اپنے دھرم کا شردھالو بنا لیتے ہیں کیا ناستک کو ایشور آستک اور گو بھکشک کو گو رکشک بنا لینا اس صورت میں جبکہ ہم بنا سکیں پاپ ہے؟ چشم بصیرت رکھتے ہوئے اگر ہم کسی اندھے کو کنوئیں میں گرنے دیں تو یہ ہمارا قصور ہے۔ باقی رہا کھان پان اور رشتہ ناطہ۔ کھان۔ پان میں تو کوئی دقت پیش نہیں آسکتی جبکہ بعض حالتوں میں براہمن براہمن کے ہاتھ سے نہیں کھاتا۔ اگر ان ہر دو امور میں کوئی دقت پیش آئے بھی تو ودوانوں کی سبھا اسکا فیصلہ کر سکتی ہے اسمیں کوئی شک نہیں کہ ان بچھڑے بھائیوں کو واپس لے لینا کوئی پاپ نہیں ہے جو اپنے پہلے قصور پر پشیمان اور آئندہ کے لئے اُس سے محترز رہنے کا اقرار کریں۔ البتہ ایسے واپس آنیوالوں کی نیک نیتی کا سب سے پہلے معلوم کر لینا ضروری ہے۔ تاکہ بعد میں کسی قسم کا پشچاتاپ نہ کرنا پڑے۔

آریہ مسافر کا پرلوک گمن

پنڈت جی کی لاجواب تحریروں نے اسلامی دائرہ میں خوب ہلچل مچا دی تھی طرح طرح کی انکو دھمکیاں دی گئیں۔ آخر کار مرزا غلام احمد قادیانی نے جسکا پنڈت جی نے ہر طرح قافیہ تنگ کر دیا تھا۔ آپکی موت کی پیشین گوئی بھی کر دی۔ عید کے روز ایک سنگدل مسلمان نے جو شدھ ہونے کا بہانہ کر کے پنڈت جی کے پاس آیا تھا اور جسکی حرکات شروع سے ہی مشتبہ تھیں۔ اور جسکی پنڈت جی نے اپنے سرل سوبھاو کیوجہ سے کچھ پرواہ نہیں کی تھی۔ ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کی شام کو پنڈت جی کی پیٹ میں چھری گھونپ دی۔ رات کو ۲ بجے باوجود بہترین علاج کے ایشور بھجن میں مگن ہو۔ اس ناسفانی سے کوچ کر گئے۔ اور چلتے وقت آریہ سماج کے ممبروں کو

جیسا کہ کہہ چکے ہیں ::

تحریک کا کام بند نہ ہونے پائے

آریہ پرشو اور ہندو بھائیو! اس سچے دھرم ویر کی یادگار۔ آریہ مسافر ہی جس طرح ہم شریمان پنڈت لیکھرام جی کو تا مرنے دم سے برابر ان کے درشن دکھلاتی رہتی تھی۔ اور جس ذوق و شوق سے ہم انکی راہ میں آنکھیں بچھاتے تھے آؤ ہم اسی جوش و خروش سے آریہ مسافر میگزین کا خیر مقدم کریں۔ اور اس رسالہ اور آریہ مسافر مشن فنڈ۔ اور لیکھرام میموریل فنڈ کی ترقی اور بحالی ہر طرح سے امداد کر کے اپنی شکر گزاری کا ثبوت دیں۔ اور اس سچے پریم کا اظہار کریں جو ہمیں اس سچے شہید ویر کے دھرم سے ہے جو اپنے قلم علم و عقل اور تحقیقات سے ہماری قوم کی رکھشا کے لئے ایک سنگین قلعہ بنا گیا ہے۔ جسکی حفاظت ہمارا پرم دھرم ہے ::

مختلف نوٹ

کیا بابا آدم دس بیس پیچ تھے؟

جب سے آریہ سماج نے قرآن و مذہب اسلام کی جانچ پڑتال شروع کی ہے۔ اسوقت سے اہل اسلام نے بھی آیات قرآنی کی تاویل میں نہایت سرگرمی ظاہر کی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح آیات قرآنی سے ہی ان الزامات کی تردید کریں جو مذہب اسلام پر وارد ہوتے ہیں لیکن سچ سچ ہے اور جھوٹ جھوٹ۔ امر حق کو لاکھ چھپاؤ ہزار تاویلیں کرو۔ مگر اسکی صداقت میں فرق نہیں آتا۔ مصنوعی ہیرے کو چاہے جس قدر عمل کیمیاوی سے مجلا و مصفا کیا جاوے مگر سچے ہیرے کا مقابلہ وہ نہیں کر سکتا۔ اور کبھی نہ کبھی اس کا ملمع اتر ہی جاتا ہے سنسکرت

کی ایک مشہور مثل ہے کہ وہ ہمیشہ راستی ہی کی فتح ہوتی ہے۔"

مولوی احمد حسن صاحب شوکت کا ایک مضمون "بعنوان قرآن کریم ملزم" اخبار کیسل مورخہ ۱۱ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء میں طبع ہوا ہے جسمیں انہوں نے تاویل آیات قرآنی میں واقعی خوب کوشش کی ہے۔ اور اس کا نام "تدبر" رکھا جاتا تو ٹھیک ہی تھا۔ میرا کہنا "وخلقنا کم ازواجا" کا عام حکم وخطاب عام ہے کہ تمام انسان زوج زوج (جوڑا جوڑا) پیدا کئے گئے نہ کہ صرف ایک آدم علیہ السلام۔ جسپر مذاہب غیر آریہ وعیسائی وغیرہ قہقہہ لگاتے ہیں اور اور اسلام کو جو ایک حکیمانہ مذہب وفطرۃ اللہ ہے خود بخود مسلمان ہو۔ وطعن بناتے ہیں اور یہ بھی غلط ہے کہ آدم سے پہلے کوئی موجود نہ تھا کیونکہ آدم رسول تھے اور غیر ممکن ہے کہ خدا تعالے رسول کو تو بھیجے مگر اس سے پہلے مرسل الیہ کا وجود نہ ہو۔ اور رسالت فضول وعبث قرار دیجائے۔ پڑھو "وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر" یعنی ہر امت میں ایک ڈرانیوالا نبی گزرا ہے۔ رسول ہی کیواسطے امت کا ہونا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیتیں موجود ہیں۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ حوا کی ایک پسلی سے مرد اور دوسری سے عورت ہر سال پیدا ہوتی تھی۔ العجب ثم العجب۔ اسلام میں کوئی بات خلاف فطرت نہیں۔ نطفہ بتدریج رحم مادر میں پرورش پاتا۔ اور مدت معینہ کے بعد باہر آتا ہے جسکی تربیت مفصلاً قرآن مجید میں موجود ہے۔ پھر کس ڈھٹائی سے لکھا جاتا ہے کہ آدم کے زمانہ میں بھائی بہن کا نکاح باہم جائز تھا۔ بعد میں حرام ہو گیا۔ یہ خبر بھی ہے کہ تمام انبیا کا یہی مذہب اسلام ہے۔ اور قرآن مجید ازلی وابدی اور تمام آسمانی کتابوں کا مجموعہ ہے۔ غیر ممکن ہے کہ خدا آج کچھ حکم دے اور کل کچھ۔ پہلے کسی شئے کو جائز کرے اور پھر ناجائز۔ قرآن مجید میں صرف ایک آدم وحوا کا واقعہ ہے۔ جن سے اگلی ... میں غلطی ہوئی اور پھر معانی دیکھی نہ دوسرے ازواج کا جو آیہ بالا سے ثابت ہوتے ہیں، مختلف ازواج کی اولاد کا مختلف ازواج کی اولاد سے نکاح ہوا اور اولاد بڑھی"

آریہ۔ بقول مولوی صاحب "وخلقنا کم ازواجا" کا عام حکم وخطاب عام جملہ انسانوں کی طرف ہے۔ اگر حضرت آدم وحوا کی طرف اسے سمجھا جائے۔ تو بھی نہیں کہ ان کے بھی

جوڑا تھا۔ مگر عام مفسرین کی رائے میں یہ خطاب عام کی جانب ہے۔ کیونکہ شریعت محمدی
نے مجرد زندگی کو مستحسن نہیں سمجھا۔ اور یہ مشہور حدیث ہے لا رہبانیۃ فی الاسلام
یعنی مذہب اسلام میں مجردی داخل نہیں۔ بالفرض آدم کی پسلی پھیر کر حوا کو بنانا توریت
و انجیل سے بخوبی ثابت ہے جنکو اہل اسلام کتب آسمانی و صحیفہ ربانی سمجھتے ہیں۔ گو
قرآن نے انکی صراحت نہ کی ہو۔ اسلام نہ حکیمانہ مذہب پہلے تھا اور نہ اب ہے۔ اکثر باتیں
علم طبعیات کے خلاف اس میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً آسمانوں کا وجود۔ ہستی سے نیستی یا
نیستی سے ہستی کا ہونا۔ معجزہ شق القمر وغیرہ وغیرہ۔ فی الواقعہ رسل سے پہلے مرسل الیہ کا
وجود مقدم ہونا چاہئے۔ مگر کیونکر ہو۔ یعنی جب خدائی یا کل کائنات نہ تھی خدا کس کے ساتھ
تھی۔ تو پھر وہ خدا کیسا اور کس کا خدا۔ یہ اعتراض خدا کی ذات پر بھی وارد ہوتا ہے۔ بادشاہ
اسکو کہیں گے جس کے قبضہ میں ملک فوج و خزانہ وغیرہ سامان سلطنت ہو۔ اور جسکی
رعایا و ملک وغیرہ کچھ نہ ہو۔ وہ بادشاہ کس کا۔ قاعدہ کی رو سے صفت و موصوف کا ساتھ
رہنا لازم و ملزوم ہے۔ مولوی صاحب موصوف نے آیہ خلقنا کم ازواجا کی تاویل تو کر
دی مگر ہم حیران ہیں کہ کنت نبیا و آدم بین الماء والطین یعنی ہم نبی تھے
اسوقت جبکہ آدم مٹی اور پانی میں پڑے ہوئے تھے۔ اس مشہور و صحیح حدیث نبوی کی تاویل
وہ کس طرح پر کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت آدم کا وجود ہی نہ تھا۔ اور آنحضرت کی
رسالت اس سے پیشتر بموجب حدیث مذکور بالا ثابت ہے۔ تو اب فرمائیے وہ مرسل الیہ
کہاں سے۔ اور وہ دعوی آپکا کہاں تک بجا۔ قطع نظر اس کے اگر ہم تسلیم بھی کر لیں
کہ آدم معلوم سے پیشتر یا اس کے ہمعصر بہت سے آدم تھے۔ تو مقام افسوس ہے کہ
خدا نے ان کے نام قرآن میں بتائے نہیں۔ اور نہ ان کے قصص مثل سلیمان اور نوح ابراہیم
موسے یعقوب عیسیٰ وغیرہ انبیاء ذکر فرمائے۔ کلہم اجمعین سب انہی آدم کی اولاد سے پیدا
ہوئے جنکی نسل سے مسلمان و عیسائی اپنے آپکو ظاہر کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسرے
آدم یا انکی نسل صفحہ ہستی سے معدوم ہو گئی [illegible] اگر [illegible] تو غالباً ان سب کی [illegible] نہیں تو
[illegible] زندگی [illegible] مولوی صاحب تصنیفات کا

جھگڑا اُن سب کے بابا آدم سے نہیں ہوا۔ وہ جھگڑا صرف اسی آدم قرآنی سے ہوا
تھا۔" ہر امت میں ایک ڈرانے والا نبی گذرا ہے" اس آیت سے بھی یہ واضح ہوتا
ہے کہ بعد ظہور آدم جب سلسلہ توالد و تناسل انسانوں میں جاری ہوگیا۔ اور مختلف
امتیں پیدا ہوگئیں تو ان میں انبیاء بھیجے گئے مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا
کہ بابا آدم سے پہلے یہ امتیں موجود تھیں۔ اگرچہ یہ بات غیر ممکن ہے مگر مذہب اسلام
کے مطابق تو آدم و حوا سے ہی نسل انسانی کا پیدا ہونا مشروح ہے۔ یعنی آدم سے حوا اور آدم
و حوا سے تمام انسان پیدا ہوئے۔ پس اس حساب سے بھائی اور بہن کے باہمدگر
نکاح ہونے میں کوئی شبہ باقی نہ رہا۔ فی زماننا بھی مسلمانوں میں چچازاد و خالہ زاد بہنوں سے
نکاح کا کرنا شرعاً جائز اور اس پر عمل بھی ہوتا ہے۔ کسی اسلامی کتاب سے دوسرے
آدم کی پیدائش کا ثبوت مطلقاً پایا نہیں جاتا۔ نہ معلوم مولوی صاحب نے یہ بات
کہاں سے پیدا کی۔ قرینہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ویدوں کے رو سے ابتدائے
آفرینش میں بہت سارے انسان یعنی مردوں اور عورتوں کا جوان عمر میں پیدا ہونا۔ اور
انہیں کے باہم ازدواج کا ہونا لکھا ہے۔ مولوی صاحب اسکی تطبیق کھینچ تان کر کے آیات قرآنی
سے کیا چاہتے ہیں جو بالکل محال ہے۔ خدا نے اپنے کئی احکام منسوخ کر دیئے۔ مثلاً نماز
اول جانب بیت المقدس پڑھی جاتی تھی۔ اس کے بعد جانب قبلہ شروع ہوئی۔ علی ہذا القیاس
چند احکام اسی قسم کے تنسیخ و منسوخ موجود ہیں۔ اس تنسیخ و ترمیم کا ثبوت خود قرآن سے
ظاہر ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ بقر آیہ نمبر ۱۰۰۔ ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات
بخیر منہا او مثلہا الم تعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ ترجمہ جب
ہم منسوخ کرتے یا بھلا دیتے ہیں کسی آیت کو تو اس کے عوض دوسری آیت بھیج
دیتے ہیں" اس سے بڑھکر ثبوت اور کیا ہوگا یعنی خدا آیتہ کو منسوخ کرتا و بھلا
بھی دیتا ہے۔

حضرت آدم نے اکل شجر غلطی سے نہیں کھایا۔ بلکہ صریحاً نافرمانی حکم خدا کی
جبکہ خدا نے ان کو اس کے کھانے سے منع کر دیا تھا۔ تو پھر دیدہ و دانستہ عمداً

جو فعل کیا۔ (خواہ باغوائے شیطان یا کسی اور وجہ سے) تو اسکو غلطی کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ یہ غلطی چہ معنی دارد۔

نطفہ کا رحم مادر میں پرورش پا کر مدت معینہ کے بعد باہر آنا اگر قرآن میں لکھا ہے تو اس میں نئی بات کونسی ہے۔ وید کہ شاستر (علم طب) میں جو قرآن سے لاکھوں برس پیشتر کا ہے۔ بالتفصیل سب حالات استقرار حمل وغیرہ کے درج ہیں۔ قطع نظر کیجئے اطبائے چین یونان وغیرہ نے بھی اسلام سے پہلے خوب صراحت و تفصیل کے ساتھ اسکو لکھا ہے۔ پھر قرآن کی یہ ترجیح بلا مرجح کیسی؟

مولوی صاحب۔ دوسری آیہ لقد خلقناکم سے اچھی طرح ثابت ہے کہ آدم سے پہلے بہت سے مرد و عورت موجود تھے۔ یعنی ہم نے تمہارے باپ دادا کو پیدا کیا۔ پھر انکی جدی جدی صورتیں بنائیں۔ انہیں میں آدم ہوئے اور شیطان سے ان کا جھگڑا ہوا۔"

آریہ۔ اس آیہ میں بھی ہال آتش دکان موجود ہے۔ تم کا خطاب عام انسانوں کی طرف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ انسانوں کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔ اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ اس کے مخاطب حضرت آدم ہیں۔ اس لفظ تم سے مخاطب یا تو محمد صاحب ہیں یا اُس کے ذریعہ سے عامہ مومنین۔ بڑا اندھیر ہے کہ حضرت آدم کا خطاب ابو البشر و ابو الاباء ہے مولوی صاحب ان کے بھی اباء و اجداد پیدا کئے دیتے ہیں۔

القصہ ہم مولانا شوکت کی جدت پسندی کی داد ضرور دیتے ہیں۔ اس تیرہ سو برس کے زمانے میں جو بات کسی عالم مفسر کے ذہن میں نہیں گذری تھی۔ وہ حضرت نے پیدا کر دکھائی سو جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی۔ خدا نے آدم کی مٹی کو چالیس روز تک بطور خمیر پانی میں بھگو کر رکھا تھا۔ اور پھر ایک مدت تک اُس پر باران رحمت نازل کیا۔ تعجب ہے کہ اس مدت کی بارش سے وہ مٹی بہکر دریا برد کیوں نہ ہوگئی۔ غرضیکہ بہزار محنت و مشقت بشکل تمام ایک ذات آدم کو خدا نے پیدا کیا۔ اسکے علاوہ دوسرے بابا آدم کہاں سے آ گئے۔ اور کب پیدا ہوئے۔ قرآن نے اس کی

پیدائش کی صراحت کیوں نہ کی۔ انجیل و توریت میں بھی سوائے ایک آدم کے دوسرے آدم کا ذکر نہیں۔ الغرض مولوی صاحب کی تاویل ایک الوکھی قسم کی ہے۔ جسکی نسبت ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ آپکے طریقہ استدلال و تاویلات کا بھی باوا آدم نرالا ہے مضمون مذکور میں بقیہ تاویلات کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہئیے۔ مشتے نمونہ از خروارے۔

گئو کشا۔ بجز معدودے چند متعصب اسلامی اخبارات کے اب یہ مسئلہ گئو کشا کا متفق علیہ تمام اقوام ہند کا ہو چکا ہے۔ یعنی یہ کہ بہ نسبت جان سے مارنے کے گائے کی پرورش میں خلق خدا کا زیادہ نفع متصور ہے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کے ایک فرقہ شیعہ نے بھی بمقتضائے انسانیت گاؤکشی کے انسداد کے لئے کمر ہمت چست باندھ کر کوشش شروع کر دی ہے شکر کا مقام ہے کہ ان کو اس میں کامیابی بھی ہو چلی ہے۔ اللّٰھم زد فزد۔

باقی رہے اہل سنت و جماعت ان کو بھی فی الحال بہلا سا اختلاف نہیں رہا۔ غالباً بعد چندے وہ بھی ضرور ہمارے ہمخیال ہو جائیں گے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کب تک۔ علاوہ دیگر اقوام کے پارسی لوگ بھی جو قدیم باشندے ملک ایران کے ہیں۔ اس بارہ میں ہنود سے متفق الرائے اور گورنمنٹ عالیہ سے درخواست کر چکے ہیں کہ "مذہبی خیال سے نہیں بلکہ پولیٹیکل خیال سے بھی اس کا انسداد واجبات سے ہے۔ کیونکہ غذائے انسانی کا مدار گھی۔ مکھن۔ دودھ وغیرہ پر ہے۔ اور کاشتکاری کا بیلوں پر جو سب گائے سے پیدا ہوتے ہیں۔

تین مرتبہ سلاطین تیموریہ کے عہد میں گاؤکشی کا انسداد شاہی فرمانوں کے ذریعہ عمل میں آچکا ہے۔ اول بعہد اکبر شاہ دوم فرخ سیر کے زمانہ میں اور بار سوم بہادر شاہ ظفر کے زمانہ میں۔

چند روز ہوئے کہ امیر کابل نے بھی بہ تقریب سیاحت ہند دہلی میں عید الضحیٰ کی روز گاؤکشی ملتوی کرادی تھی۔ سر دست اس امر پر بحث کرنا کہ گئو کشا میں کیا کیا فوائد ہیں اور گاؤکشی سے کس قدر نقصان ملک کو متصور ہے۔ فضول ہے۔ کیونکہ یہ بات سبکو معلوم

ہے۔ قبل اس کے بارہا صراحت اسکی ہو چکی ہے۔ بالفعل ضرورت اس امر کی ہے
کہ اسکے انسداد کی کچھ تدبیر کیجائے۔ چونکہ دربار قیصری ۱۲۔ دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء کو بمقام دہلی
منعقد ہونیوالا ہے اور وہ شاہان مغلیہ کے دربار کے نمونہ پر ہو کر اُس قسم کی فیاضیوں کا
اظہار اُس میں ہوگا۔ جیسا کہ مغلیہ درباروں میں ہوا کرتا تھا۔ عامہ ہنود کی جانب سے
گاؤکشی کے انسداد کے لئے درخواست پیش ہونے کی اُمید قوی ہے۔ اور ہر دو اور بڑے
بڑے شہروں میں ایک میموریل کے تیار کرنے میں ہنود ساعی ہو کر سب کو دستخط
اُسپر کرا رہے ہیں۔ بہ تحقیق سُنا گیا ہے کہ اہل اسلام سُنی فرقہ کے بھی بطیب خاطر اُسپر
دستخط کر رہے ہیں۔ اگر ہندستان کی جملہ اقوام سناتنی جینی سکھ۔ پارسی وغیرہ سب متفق
ہو کر اس میں شامل ہو جائیں۔ تو آریہ سماج کو مناسب ہے۔ کہ وہ بھی ضرور اس میں شریک
ہو۔ کیونکہ سوامی دیانند سرستی جی کے اس مسئلہ کی نسبت جو کچھ رائے تھی۔ وہ اُنکی کتاب گوکرونا
ندھی سے بخوبی ظاہر ہے۔ وہ تہ دل سے اس کے حامی تھے۔ ہمکو یاد ہے کہ ایکمرتبہ فرخ آباد
میں میور صاحب بہادر سابق لفٹنٹ گورنر ممالک متحدہ مع چار پانچ یورپین پادریوں کے اُنسے
ملنے کے لئے تشریف لائے۔ بعد ملاقات و معمولی بات چیت کے لاٹ صاحب بہادر نے
سوامی جی سے کہا کہ اب ہم جلد ولایت کو جانا چاہتے ہیں۔ ہمارے لائق کوئی کام دُنیا کا
ہو تو آپ ضرور کہئیے۔ سوامی جی نے کہا کہ میرا ذاتی کام تو کوئی نہیں۔ ایک پر اپکار کا کام
ہے جو آپ سے ہو سکے۔ یعنی گؤ رکشا۔ اس میں ضرور کوشش کیجئے۔ لاٹ صاحب نے ضرور
کرنیکا اقرار کیا۔ مگر اُن کے ہمراہی پادریوں میں سے ایک صاحب نے یہ سوال کیا کہ سوامی
جی آپ گؤ رکشا کے متعلق اسقدر اصرار کیوں کرتے ہیں۔ بالفرض اگر اسکا انسداد بھی ہو جاوے
تو ہمارے اور آپکے پہننے کے لئے جوتے کہاں سے آئینگے۔ اور فوج کے سامان میں جو
چمڑا صرف ہوتا ہے وہ کیونکر بہم پہنچیگا۔ سوامی جی کی حاضر جوابی مشہور ہے۔ انہوں نے فوراً جواب
دیا کہ صاحب جب گائیں تعداد میں زیادہ بڑھ جائینگی تو مریں گی بھی زیادہ۔ پھر کسی نوع کا
حرج نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ بڑے بڑے شہروں کی اموات بمقابلہ دیہات
و قصبات ہمیشہ زیادہ ہوا کرتی ہیں۔ سوامی جی کا یہ شافی و معقول جواب سنکر سب پادری صاحب

اور بلا سے مہاشے معقول ہوکر ہنس پڑے۔ القصہ ایسے وقت میں جبکہ موافق و مخالف سب
دل سے اس بارہ میں ساعی ہیں۔ آریہ سماج کو بھی اس میں کوشش کرنا چاہئے۔ خصوصاً
جبکہ لندن کے ایک اخبار نے بھی گورکشا کی تحریک کی ہے۔ کہ بغرض قائم رکھنے یادگار
اس عظیم الشان دربار کے ضرور ہے کہ بپاس خاطر ہنود جنکی آبادی بمقابلہ دیگر اقوام کے
ہندوستان میں بہت زیادہ ہے جبتک حضور ملک معظم ہندوستان میں رونق افروز ہیں گاؤ
کشی نہ ہونی چاہئے۔ اگرچہ یہ انسداد بھی جو عارضی طور پر چند روزہ ہوگا۔ غنیمت ہے۔ مگر
ہنود جس قدر مشکور اس کے انسداد دوامی سے ہونگے۔ اسقدر انسداد عارضی سے نہیں ہونگے
انسداد دوامی سے ہنود کہاں تک مشکور و دعاگوئے دولت برطانیہ ہونگے۔ اس
خوشی کی کوئی حد انتہا ہم کو نظر نہیں آتی۔ اس کا بیان کرنا ہمارے اور تمام ہندو
قوم کے حیطہ امکان سے باہر ہے۔ آخر میں مجبور ہوکر ہمکو یہی کہنا پڑیگا۔ از دست
و زبان که برآید۔ کز عہدہ شکرت بدر آید۔ ہمارے خیال میں شاید قیامت تک ہنود اس
شاہانہ احسان کو فراموش نہ کریں۔ بلکہ عجب نہیں کہ مثل تصاویر راجہ رامچندر جی و کرشن چندر جی
کے حضور جارج پنجم کی تصویر بھی ہر ہندو کے گھر میں نظر آئے۔ (پریم نارائن ٹھاکر)

کیا سکھ لوگ ہندو نہیں ہیں؟

ششیہ در اصل سنسکرت کا ایک شبد
ہے جس کے معنی شاگرد کے ہیں۔ بھاشا میں اسکو سکھ بولتے ہیں۔ گورو نانک
صاحب اور تمام گورو دھرمان آریہ (ہندو دھرم) و وید و شاستروں کے پیرو تھے۔ اس میں
شک نہیں کہ گورو صاحبان نے قوم آریہ کے لئے بہت ساری قربانیاں کیں
اور ہنود نے اُن کو اپنا حامی و معین سمجھا ہے۔ سکھ لوگ ہندوستان میں ہی پیدا
ہوئے ہیں۔ یہیں کی آب و ہوا میں انہوں نے پرورش پائی۔ اور جو لوگ ان کے
مذہب میں شامل ہوئے وہ انہیں چار ورنوں یعنی برہمن چھتری۔ ویش اور شودر
میں سے تھے۔ ممالک غیر کا کوئی باشندہ غالباً ان میں شامل نہیں ہوا۔ پس باوجود
اس کے سکھوں کا اپنے آپکو ہندوؤں سے علیحدہ سمجھنا اور مردم شماری میں اپنی قوم کو

جداگانہ بنام سکھ لکھوانا تمام دنیا سے نرالی بات تھی لفظ سکھ بذاتہ ثبوت کامل اس امر کا ہے۔ کہ سکھ دراصل ہندو ہیں۔ وہ کسی طرح اس قوم سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ سکھ لوگ اگر لفظ ہندو کو ایسا ہی حقیر سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ آریہ سماجی تو وہ بجائے ہندو کے اپنے آپکو آریہ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے ملک کا اصلی نام آریہ ورت ہے۔ یہاں کے باشندے سب آریہ ہیں۔ ہندوستان و ہندو وغیرہ یہ سب نام مسلمانوں کے رکھے ہوئے ہیں۔ رامائن و مہابھارت وغیرہ قدیم کتب تاریخی کتب سنسکرت و شاستروں میں کہیں یہ نام پائے نہیں جاتے۔

گورو نانک صاحب بانی مبانی فرقہ سکھ ایک درویش صفت انسان تھے۔ گورو جی کا میلان خاطر صلح کل کیجانب تھا۔ اور یہ منشا تھا کہ ہندو و مسلمانوں میں باہمی اتفاق ہو جائے۔ جیسا کہ ان کے کلام سے مترشح ہے۔ تاہم اسمیں شک نہیں کہ وہ وید و شاستر کی تہ دل سے معتقد و پیرو تھے۔

اس کی تصدیق سردار ارجن سنگھ جی کے ٹریکٹ موسومہ

"ہمارے گورو صاحبان ویدوں کے پیرو تھے"

سے بخوبی ہوتی ہے۔ جو ہمارے دفتر میں بغرض ریویو موصول ہوا ہے۔ سردار صاحب موصوف نے اس کتاب میں گرنتھ صاحب کے ۱۳۷ پرمانوں سے اس امر کو بپایۂ ثبوت پہنچا دیا ہے کہ جملہ گورو صاحبان ویدوں کے سچے بھگت تھے۔ ہماری رائے میں جملہ ہندوؤں کو عموماً اور سکھ صاحبوں کو خصوصاً اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ تاکہ جس قدر نفرت ان کو لفظ ہندو سے پیدا ہو گئی ہے۔ وہ اور سب غلط فہمی انکی رفع دفع ہو جائے مصنف نے بہت محنت سے یہ کتاب تیار کی ہے۔

لاہور کے جملہ کتب فروشوں سے مل سکتی ہے۔

قیمت صرف ایک آنہ

جن صاحبوں کو اسکی نسبت کچھ اعتراض ہو وہ اپنا شک مصنف سے موضع علی پور ریلوے سٹیشن رودو ظفیوٹ سے کر سکتے ہیں۔

شیو پران درپن

از مہاشہ رتن لال جی پردہان آریہ سماج گنگوہ

اردو شیو پران مترجمہ منشی شیو سنگھ صاحب انسپکٹر پولیس رائے بریلی جو منجملہ ۳۶ ہزار شلوکوں کے ۲۴ ہزار کا ترجمہ ہے اس میں سے ۷۵ اعتراضات لیکر انپر نوٹ دئے گئے ہیں

(۱) شیو پران اردو کھنڈ پہلا صفحہ ۲ پر تین وقت سندھیا کرنا تبلایا ہے۔

نوٹ پیارے ناظرین شام وید ادھیائے ۲ کھنڈ ۲ منتر ۴ اور منو ادھیائے ۲ شلوک ۱۰۲ میں دوجوں کے لئے سندھیا کا دو کال کرنا دہرم کہا ہے کچھ بلی اپنشد کی بھی ہے۔ الذواک ۲ بھی اسی کی تائید کرتی ہے اسلئے تین کال سندھیا اصولاً ماننا وید سناتن دہرم کے خلاف ہے تین کال سندھیا کی تائید البتہ شاکتوں کے مت میں ضرور ہے۔ مفصل دیکھو تنتر شاستر وغیرہ۔ مہابھارت اردو ادھیائے ۴ صفحہ ۹۱ شانتی پرب حصہ سوم میں بھی اسی کی تائید کی ہے لیکن شانتی پرب ادھیائے ۲۵ صفحہ ۲۴ حصہ اول میں دو کال ہی سندھیا کرنا لکھا ہے۔ ادھیائے ۲۶ صفحہ ۴۳ انوشاسن پرب میں بھی دو کال سندھیا کا ورنن ہے۔

(۲) صفحہ ۵ پر سوت جی نے کہا کہ جو لوگ پیشانی پر بھسم لگا کر شیو کا نام لیتے ہیں وہ بلا محنت شیولوک میں پہونچتے ہیں جہاں بالکل رنج نہیں ہوتا اور جو شیو کو نمسکار کرتے ہیں وہ بہت اولاد پاتے ہیں جو لوگ برہمنوں کی زمین

چھین لیتے ہیں یا برہمنوں کو قتل کر ڈالتے ہیں یا جو شراب خور وغیرہ ہیں وہ
شیو کا نام لیکر عذاب جہنم سے بری ہو جاتے ہیں۔ صفحہ ۶ میں لکھا ہے کہ
کلجگ میں عذاب سے بری ہونے کی تدبیر سوائے شیو کا لینگ لگانے کے
اور کوئی نہیں۔ اور یہ بیان جو شیو کا کیا گیا وہ ویدوں سے بھی نہیں ہو سکتا

نوٹ۔ ناظرین خود دیکھ لیں کہ مصنف پوران نے ویدوں کی تعریف کرتے
ہوئے شیو پوران کی کتنی بڑائی کی ہے۔ منافی ہی جس سے لوگوں کو
پرہیزگار بناکر پاپ کرم کرنے کی تحریک ہوتی ہے اسی سے تو
بام مارگ کے ٹھیکیدار اور ناستک سمجھے جا سکتے ہیں۔ اگر ایسا
کام نہ کرتے تو جاہل کیسے پھندے میں آتے

(۳) تا دیبار اکھنڈ [illegible] پر اندر کو زنا کار وغیرہ بناکر صفحہ ۹ پر [illegible]
نند کی لڑکی کا جو حسن و جمال میں لاثانی تھی پوشیدہ سوئمبر کی گردن
میں جے مال ڈالا لکھا ہے۔ اور ادھیائے ۳ صفحہ ۲۲ ۵۶ [illegible] چوری بھی لکھا

نوٹ۔ پیارے ناظرین اندر دیوتا کو زنا کار چور بتلانا یہ ثابت کرتا ہے کہ
مصنف خود بام مارگی ہے۔ کیا آپ کی آتما قبول کر سکتی ہے کہ اگر
پنڈتوں کے مطابق رشی بیاس ہوتے تو وہ ایسے شبد کسی دیوتا کے
لئے لکھ سکتے تھے۔ ہرگز نہیں۔ بام مارگیوں نے رشی بیاس کے نام سے
ایسے گرنتھ بناکر بھولے لوگوں میں اپنے گپت مت کا پرچار کیا ہے۔
آدم سوئمبر کے وقت برہم کے گلے میں جے مال ڈالنا ظاہر کرتا ہے کہ [illegible] بھی
کبھی کوئی دیوتا یعنی مہاتما انسان بنی ہوئے ہیں [illegible] خاص پر مشہور تھے
گو یہ نام ایشور کے لئے بھی آتا ہے۔ اور آجکل کی طرح [illegible] کی رسم پلید
نہیں ہوئی تھی بلکہ شادی کے وقت سوئمبر کی رسم جاری تھی۔

(۴) صفحہ [illegible] سے ۱۲ تک نارد کا کشن کو دغاباز کہنا اور سراپ دینا کہ تو نے
عورت کی خاطر دغا کی اور کشن کا نارد سے معافی مانگنا مفصل حال اسی صفحہ

ہے کہ نارد نے تپشا کرنے کے بعد غرور سے یہ سوچا کہ میں نے کام دیو کو جیت
لیا۔ نارد راجہ سیل ندھ کی لڑکی پر عاشق ہو گیا پھر بن نارد نے وشن سے یہ پرارتھنا کی
کہ میری شکل آپ جیسی ہو جائے یہ اس لئے کہ نارد جی خود خوبصورت نہ تھے
مگر وشن نے بندر کی شکل بنا دی اور خود بھی وہ سوئمبر میں گیا جس سے راجہ سیل ندھ
کی لڑکی نے وشنو کے گلے میں جیمال ڈالی یعنی نارد جی کی خواہش پوری نہ
ہوئی بلکہ سدا شو کے دو گنوں نے جو برہمن روپ بنے تھے نارد جی کی ہنسی کی۔ نارد
نے اپنی شکل دیکھ کر غصہ ہو کر وشنو کو دغاباز ظاہر کیا اور ان گنوں کو بھی
شراپ دیدیا کہ تم بندر کی شکل و دغاباز ہو جاؤ۔ اور ساتھ ہی یہ شراپ دیا کہ تم
عورت کی جدائی سے پریشان جنگلوں میں پھرو گے اور وشنو نے معافی مانگی
مگر نارد نے معافی نہ دی۔ پھر سدا شو نے اپنی مایا اس سے کھینچ لی۔ تب نارد
جی نے گویا ہوش میں آکر وشن کے قدموں پر سر رکھ کر معافی مانگی وغیرہ وغیرہ
نوٹ۔ پیارے بھائیو اس ناٹک بازی سے بھی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ دیوتا لوگ
کیسا ذلیل کرنے کے وہی بام مارگ چھپانا چاہا نہ معلوم شیو اس قسم کی مایا
سے کیا کام سدھ کرنا چاہتا تھا۔ کیا دیوتا آجکل کے جنگلی لوگوں کی طرح
وحشی حرکت ہوا کرتے تھے۔ کہاں تو ان کے سر اُتم کام اور کہاں یہ [illegible]
کی [illegible] آدمی [illegible] ہو گئے ہیں [illegible]
[illegible] رشیوں کی نند [illegible]
[illegible] شیو کی [illegible]
[illegible]
[illegible] ان کی عبادت بشن [illegible]
[illegible] کو دور کرتے ہیں [illegible]
[illegible] سب کچھ کھلتے ہیں آگے اس کی پھر [illegible]
لکھا ہے [illegible] شیو کی [illegible] اور روپ [illegible] نام [illegible]

بھی نہیں جان سکتے باوجودیکہ جاہل سدا شیو کی کرپا سے بلا محنت یہ روپ
دیکھ لیتے ہیں جیسا کہ بیاد یعنی صیاد ۔ تاور و گنگا یعنی طوائف نجات پا گئی
اور اس بات کی گواہی وید پوران دیتے ہیں اور مثل اس کے گنج وغیرہ بیشمار جاہل
و عاصی سدا شیو کی نظر ترحم سے نجات پا گئے ۔

نوٹ ۔ پیارے ناظرین گرنتھ کرتا کے ناستک اور بامی ہونے میں شک
کی گنجائش نہیں کہیں شیو کو پرماتما بتانا چاہتا ہے کسی جگہ پر معمولی انسان
کے درجے سے بھی گرا دیتا ہے کہتا ہے کہ شیو کی مہما وید و پوران پر
بھی ٹھیک نہیں اور نہ مہا پد کا بل پوران اور وید جان سکتے ہیں ۔ کیوں
بھائی صاحب جس پوران میں یہ حال درج ہے کیا یہ پوران نہیں
اور اگر شیو کوئی ایسا ہی شخص سمجھے جو پیدا کر پورانوں سے اس کا سوانگ
رچا ہے ۔ تو وہ سرب شکتیمان کسی حالت میں کسی کا پیدا کیا ہوا نہیں
ہو سکتا ۔ اور اگر شیو سے مراد پرماتما سے ہے تو البتہ وہ بے شکل و شباہت
ہے ۔ ایسا ہی وید بتلاتے ہیں آپ کے اس مہاتم میں بھی تسلیم ہے
تو فرمائیے کہ رشی ویاس کی بدولت سہ ہات کے سامنے کتاب سر تسلیم
خم نہ کریں گے ۔ کیا جو تمام دھرمی سناتنی پنڈت وید منتروں سے پرماتما
کی ہر تما سدہ کرنے اور اس کی لمبائی چوڑائی موٹائی وغیرہ سب کچھ
ثابت کرنے کی جھوٹی ڈینگ مار کر دھرم سبھاؤں سے فیس وصول کرتے
پھرتے ہیں وہ اپنی اس شیو پران کے لکھے پر دھیان دینا نہیں چاہتے
یہی نہیں بلکہ جن منتروں میں سے وہ مورتی پوجا ثابت کرنا چاہتے ہیں
ان منتروں کے بناوٹی ارتھ کر کے پبلک کو دھوکہ دیتے ہیں ان منتروں
کے ویسے ارتھ ان کے پرانے آچاریہ نے بھی نہیں کئے ۔ لیکن سبھاؤں
میں وچار اور تحقیقات کا کیا کام ہے اس کا جنم تو آریہ سماج کی مخالفت
کے لئے ہوا ہے ۔ ویدوں میں گیان سے مکتی بتلائی ہے ۔ لیکن یہاں

گیانیوں کے خلاف طوالف زناہوں کی کتھی کرائی گئی۔ اچھا جالی اگر شیو کی
ایسی مخالف ویدوں میں نہیں تو مبارک اور نہ ہی ہم کو چاہیے اس سے بھی
کیا ثابت ہوا کہ جو یہ باتیں پرانوں میں ہیں اور بقول اس پران ویدوں میں
نہیں مل سکتی تو انکا وید سے خلاف ہونا صاف قبول ہے اب زمانہ آگیا ہے
کہ ایسی گپوں کا اندیشہ ہوگا اور سب کو ویدک جھنڈے کے تلے آنا ہوگا اور
سمجھدار ماننے جا رہے ہیں۔

(۶) ادھیار ۹ صفحہ ۱۰ لغایت ۱۹ آیا ہے جب برہما [illegible] سرشٹی میں مشغول
ہونے کی نیت سے وشنو کو پیدا کرتے ہوئے آپ نے بائیں طرف ... دیکھنے ہی
سے پیدا ہو گیا تھا خوشی ہوئی اور وشنو کا بارہ ہزار سال تک ایک ہی آسن جمائے
کیا تب بیٹھا رہا مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ پھر اسکو الہام ہوا اور سخت عبادت کرنا جس
سے اسقدر پسینہ جاری ہوا کہ ندی جاری ہو گئی۔ پھر وشنو کی ناف سے ایک
کنول پیدا ہوا اور اس سے برہما پیدا ہوئے اور وہ برہما جی باپ کی تلاش
کرنے کیلئے نالا لنبا کے اندر گیا اور کنول کی ڈنڈی کے راستہ صد ہا کوس تک چلا
گیا مگر خبر کا پتا نہ لگا تب متفکر ہوا اور سو سال کے بعد اسی جگہ واپس آیا مگر وہ
کنول نظر نہ آیا پھر وشنو نے ظاہر ہو کر کہا کہ ہے برہما میں تیرا باپ ہوں۔ تم
میرے کنول ناف سے پیدا ہوئے ہو۔ سب کے ہم بادشاہ ہیں ہم سے
اعلیٰ کوئی شخص نہیں اسپر برہما نے کہا کہ یہ بات وشنو نے نادانستہ کہی کہ میں
بدھ ہوں مجھ سے بڑا کوئی نہیں۔ تم سدا شیو کی مایا سے بھٹکنے ہوئے ہو
جھوٹ نہ بولو ایک واحد ذات پر یقین رکھو اور ہمارا پیدا کرنے والا کوئی نہیں
کیونکہ وید ہمکو برہم پیتا وغیرہ نام سے پکارتا ہے اسپر وشنو کا ناراض ہو کر کہنا کہ
ایسی جہالت تمکو زیبا نہیں یہ ہماری مایا کا پھل ہے۔ جو تم ایسا کہتے ہو تمنے وید
تصنیف کیا اور تمکو اپنی ناف کنول سے پیدا کیا ہے اعلیٰ کوئی شخص نہیں اپنے
نام کے غرور پر غرور نہ کرو اور بلا تحقیق کلام واجب کہو۔ جیسا اندھا آنکھوں کا مزہ

مفلس اندر کی کیفیت بیان کرتے ہیں ایسا ہی تمہارا نام رویدنے بیان کیا ہے جس سے کہ
جب میری اطاعت قبول نہ کی اور یہ تکبر ان کا [illegible] شنو کی سہنگر برہما بیٹھے اور غصہ بھی آیا اور
لشنو کے دشمن بن گئے اور کہا کہ ہم وید پڑھتے ہیں اور تم وید نہیں جانتے کہ کیا
ہوتا ہے اسی پر دونوں میں مثل جاہل لوگوں کے خوب جنگ ہوا اور اپنا [illegible]
کیا اپنا [illegible] تھا [illegible]

[illegible] برہما و شیو و لشنو و برہما کے کام کو بغور ملاحظہ کرو اگر بقول پوران [illegible] پیش
[illegible] پر خیال فرمایا جاوے کہ در اصل یہ اصحاب لائق
اور [illegible] ہونے والے گزرے ہیں دونوں جاہلوں [illegible]
پوران کا سارا [illegible] ہوگا اور اس بیان میں بھی [illegible]
کی کمی ہے [illegible] اور کھلی ہے زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں

(۲) [illegible] صفحہ ۴۰ [illegible] برہما نے [illegible] کہا کہ میری اور لشنو کی
[illegible] لڑائی [illegible] شعلہ نمودار [illegible] قیامت ظاہر کی [illegible]
[illegible] اور لشنو [illegible] برہما کو [illegible] کا آغاز
[illegible] کہاں [illegible] سمجھا دیگا تم عالم بالا کو
[illegible] عالم پاتال کو جاتے ہیں [illegible] برہما [illegible] کی شکل بناکر
[illegible] ہزار سال تک تلاش میں سرگردان
رہے مگر [illegible] اور لشنو کے [illegible]
[illegible] اور [illegible] ترک کی [illegible] باہم ہوا [illegible]
کرو [illegible] شیو نے ظاہر ہو کر اپنا جلوہ دکھایا اور [illegible] لشنو کا تبدیل
شکل کر کے تلاش [illegible] جہاں میں [illegible] مشہور ہے اور
[illegible] شخص [illegible] ہو کر [illegible]
خوش [illegible] دونوں بیان میں [illegible] ہے۔

[illegible] ناظرین ملاحظہ [illegible] کہ [illegible]

لڑکی سے خوش ہو کر پیارا ستارہ پاکر اس کی بابت دشرافت کو بیان
کرتا ہے لیکن اگر شیو ایسا نہ کرتے تو پھر گنگا کیسے علی اعلیٰ قدیم شخص
کی پاؤں کی کیسے حاصل ہوتی اگر یہ سوانگ جا بجا نہیں تو کیا ہیں
اور طرہ یہ کہ اس جا بجا بابت کا دھیان کرنیوالے دھیا اور عجب
ہیں خوشی پاویں۔ آجکل ہمارے سناتنی بھائیوں نے عقیدہ ہو گئی
بندہ آج ہے اگر تمہارا ان سے برتن کی طرف سے قطعی بھلا دی اور بدرجہ دل
میں بھی اس کی محبت کو گھٹنے سے بند کر دیا۔ اگر ختم کتابیں تو پاؤں
دھونے بھی فضول لکھے۔ جبکہ سوکر مہاراج کا دھیان کیا جاوے
دھیان کئے دھیان کے لئے ان بڑی تشبیہوں کی کیا ضرورت تھی کیونکہ
انسان تو مصنف پران سے آیا اور یہ بات ہم معافی سمجھ کر
نہیں اس سے ظاہر ہے کہ منو جی کے قول کے مطابق ظاہر
و باطنی صفائی کو جو بعد قول ہے نہیں مانتے اور جنہ عمل کرتے ہیں وہ
اور شیو پاک بھی کرتا ہے ہمارے پیارے سیتروان بالوں تک آنکھ نہیں
لی سکتا اگر پرماتما سے لگا اپنے شام رنگ آنکھ شیو ہی دیکھ
انکو لیکے پرماتما سے لینے کے ادھکاری بننے کی کوشش کریں

(۲۱) اودھیائے ۵ صفحہ ۱۲ و ۲۲ پر سدا شیو کی تعریف کرتے ہوئے شیو لوک
کا چکنا بدن سفید پتھر سا اور بھسم لگائے ہوئے پہاڑ شیو کو درشن دیا اور دونوں کا
بیس ہزار سالہ ہماری اٹھائی مبارک ہوئی جو شیو کو دیکھے درشن ہو گئے اور دونوں کا
ضرور شرک کرکے شیو کو اپنا مالک تسلیم کرنا۔

نوٹ۔ مہاشہ جی کہئے شیو کا مطلب حل ہو گیا یا نہیں اسی لئے تو عرض کیا تھا
کہ اگر شیو ایسا نہ کرتے تو ہرگز دستار فضیلت کے حقدار نہ ہوتے لیکن بجا
بدن سفید پتھر سا بنانے سے کیا مطلب دکھانا ہے یہ محض دل لگی ہے۔

(۲۲) اودھیائے ۶ صفحہ ۲۲ و ۲۳ پر برہما نے نارد سے کہا کہ ہماری اور شیو کی زبان

شیو نے نمر نیف منگر منتر کہا کہ ہمارا کہنا مانو یہ کہکر انکو وید پڑھایا۔ گایتری اور
مہامرتنجی منتر سکھلایا کہ پھر جپتا منی بتایا جو بھگتوں کو کمال خوشی دیتا ہے یہ سنکر
دونوں شیو کو دیکھنے لگے اور ایسے محو ہوئے اور دیدار سے ایسی لذت پائی
جیسے شہوت پرست کو عورت کے ملنے سے ہوتی ہے ایسا پریم دیکھکر شیو خوش
ہوئے۔ برہما کو خلقت پیدا کرنے کیلئے اور وشنو کو پرورش کا ذمہ وار ٹھہرا
کر کہا کہ ویدوں کو دیکھکر ہماری شناخت کرو اور مطابق وید ہمارا حکم مانو جیسے برہما
وشنو نے کہا کہ آپ اوتار لیکر ہماری مدد کیجیئے پھر طریقہ پرستش وغیرہ کا دریافت
کیا۔ انہوں نے کہا کہ جو نر لنگ کی صورت تمہیں دکھائی تھی اس کی پرستش
کرو جس سے بدرجہ غائت خوشی ملتی ہے اور جو ہمارے لنگ کی پرستش کریں گے
اس کے تمام گناہ جل جاوینگے اور کہا کہ ہم رودر نام اوتار سے ظاہر ہونگے
اس میں اور میرے میں فرق نہ سمجھنا اور جو فرق سمجھیگا اسکو نا خوشی حاصل ہوگی
اس کے بعد وید کا ایک پوشیدہ بھید شیو نے ظاہر کیا کہ ہم سگن روپ شیو
اور شکتی دو ناموں سے ہوتے ہیں وغیرہ۔

نوٹ: کیوں صاحب آجکل کے جاہلوں کی طرح شیو اپنی تعریف سنکر کیسے
خوش ہوئے اور کیوں نہ ہوں اسی لئے تو سارا سوانگ رچا گیا ہے
اور دیکھیے کہ اعتراض نمبر ۲ میں برہما نے اپنے کو وید پڑھا ہوا بیان کیا
لیکن وید کا شروع کر کے پڑھنا شیو نے اس جگہہ لکھا ہے۔ دوم شیو
کا کہنا کہ میری شناخت وید سے کرو بالکل غلط ہے جبکہ وہ خود اعتراض
نمبر ۵ میں صاف کہہ چکے ہیں شیو کی مہما وغیرہ وید نہیں بتا سکتے اور
پرستش کیلئے صرف اپنے لنگ کا پوجن بتانا اور سگن روپ شیو
و شکتی کو وید کا پوشیدہ راز کہنا۔ کسطرح سے بام مارگ پھیلانا چاہا ہے
اور یہ پوران اسکام میں کامیاب بھی ہوئے ہیں گو اب رشی دیانند کی
بدولت ان کا راجیہ اٹھتا چلا جا رہا ہے۔ شیو و شکتی کا پوجن بام مارگیوں

گنوں میں سامانیہ یعنی عام ہے۔ علیٰ ہذا دارویہ پن۔ گن پن۔ اور کرم پن میں سامانیہ اور وشیش[1] ہیں۔ یعنی جوہروں میں جوہریت۔ معلولوں میں معلولیت۔ صفتوں میں صفت اور فعلوں میں فعلیت کو تعمیم و تخصیص کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جوہروں میں جوہریت تعمیم مگر بلحاظ وصف اور فعلیت کے وہی جوہریت تخصیص ہو جاتی ہے۔ گویا تعمیم اعلیٰ کے سوائے دوسری تعمیم وہ ہے۔ جو کسی وجود کے مقابلہ پر تخصیص بھی ہو جاتی ہے ۔

پدارتھ نمبر ۵ تعلقات (سموائے)

تعلق ایک عام اصطلاح ہے۔ چونکہ اس کی موجودگی کسی نہ کسی طرح جملہ موجودات میں پائی جاتی ہے۔ اس لیے مختلف مصنفوں نے اپنے اپنے مضمون کے لحاظ سے مختلف طور پر اس کی تشریح کی ہے۔ مگر یہاں وجودوں فعلوں اور صفتوں کے تعلقات جتا کر یہ دیکھنا مقصود ہے۔ کہ ان میں سے ملتوں کی تنار میں کونسا تعلق آسکتا ہے۔ تعلقات خواہ کتنے ہی ہوں۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ سب کا اظہار الفاظ میں (۱) سے (۲) کا (۳) پر (۴) نے (۵) پاس (۶) ساتھ۔ اور تک (۸) میں سے کسی نہ کسی کے ساتھ یا ان میں سے اکثر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً (۱) مٹی یا گھڑے کا پانی میں گھڑا گھڑے میں پانی ہے۔ گھڑا پن گھڑے میں ہے۔ گھڑے کی نسل گھڑے میں ہے وغیرہ (۲) دیودت دہلی سے آیا۔ پانی چاہ (کنوئے) سے آیا۔ پتہ درخت سے گرا۔ دیودت نے گیہ رت سے پڑھا۔ دیودت نے بھیڑیے کو لاٹھی سے مارا۔ وغیرہ۔ (۳) یہ دیودت کا قلم ہے۔ یہ دیودت کا رشتہ دار ہے۔ سمدھی ہے۔ باپ ہے بیٹا ہے۔ بھائی ہے۔ یہ دیودت

[1] وشیشک ۱-۱-۲۳ [2] وشیشک ۱-۲-۵

کا ہاتھ ہے۔ بہت بولنا دیودت کی عادت ہے۔ کپڑے کا رنگ سیاہ ہے۔ سومدیو دیودت کا ساتھی ہے۔ یجن دیودت کا دشمن ہے وغیرہ (۴) دوات میز پر ہے۔ دیودت کا گذارہ برہمدت پر ہے۔ راجہ اس ملک پر حکمران ہے۔ موم پر مہر کا اثر آجاتا ہے وغیرہ (۵) دیودت نے یگیہ دت کے لئے فلاں شئے بھیجی ہے۔ یگیہ دت ملنے کے لئے آتا ہے۔ دیودت مدرسہ میں پڑھنے کے لئے جاتا ہے دیودت کھیلنے کے لئے جاتا ہے۔ راجہ نے چور کو عبرت کے لئے سزا دی ہے۔ وغیرہ (۶) دیودت یگیہ دت کے پاس رہتا ہے۔ دیودت نے یگیہ دت کے پاس فلاں شئے بھیجی ہے۔ دیودت یگیہ دت کے پاس لڑنے گیا وغیرہ وغیرہ (۷) دیودت یگیہ دت کے ساتھ رہتا ہے۔ دیودت کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے وغیرہ (۸) دیودت دلی تک گیا۔ دیودت نے اس کتاب کو پانچویں باب تک پڑھا ہے۔ دیودت کا شملہ تک پہونچنا ناممکن ہے۔ وغیرہ وغیرہ کل تعلقات کا اظہار اسی طرح ہوتا ہے۔ اب غور سے دیکھا جائے تو ان میں سے ۹۹/۱۰۰ تعلقات عارضی ہیں۔ اور اس لئے ایسے سب معلول کہے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ علت رہی ہوں گے۔ جو لازمی یا دائمی ہوں گے۔ مثلاً معلول اور علت میں اور اجزاء اور کل میں۔ فعل اور فاعل میں۔ صفت اور موصوف میں۔ اور جنس اور فردوں میں جو تعلق ہے وہ دائمی اور لازمی ہے۔ کیونکہ ملزوم سے لازم ہرگز جدا نہیں ہوتے وجہ یہ ہے کہ ملزوم لازم کا مکان ہوتا ہے۔ پس لازمی تعلق یا دائمی تعلق کی تعریف یہی ہو سکتی ہے۔ اور یہی ہے کہ جس کی بابت یہ کہا جائے کہ "یہ اس میں ہے" اور اس سے غیر منفک یعنی جدا ہونے کے ناقابل ہے"۔ جیسے

معلول علت ہے۔ کل اجزاء سے فعل فاعل ہے صفت موصوف ہے اور جنس فردوں سے کبھی جدا نہیں ہوتی + یہ تعلق ہمیشہ وجود میں رہتا ہے۔ اور صفتوں اور فعلوں میں وجود کے تعلق سے کہا جاتا ہے۔ اور محض یہی علتوں کی شمار میں آتا ہے۔ دیگر تدارقا ئے معلول ہونے سے اِس شمار میں نہیں آسکتے +

پدارتھ سمبزا وجود (وروّیہ)

دنیا میں بے شمار وجود پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے بعض بڑے مشہور وجودوں کا ذکر باب اول میں کیا گیا ہے۔ ان سب میں عام اور ان سب کی علت مادّی ۹ نو وجود ہیں۔ جنکے نام۔ پرتھوی۔ پانی۔ آگ۔ ہوا۔ آکاش۔ من۔ آشکار اور مقتو ہیں۔ اور نواں وجود علت فاعلی۔ آتما (جیو پرماتما) ہے۔ مگر محض وجود کی تعریف یہ ہے کہ جسمیں حرکتیں اور صفتیں یا محض صفتیں لازم و ملزوم کے تعلق سے ہیں۔ یعنی جو صفتوں اور حرکتوں یا محض صفتوں کا ملزوم مکانی ہو۔ مثلاً دنیا میں جس قدر وجود پائے جاتے ہیں۔ دنیا کی علت و معلول میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں + ۔ یعنی:۔

مٹی کے اجزاء خواہ کوئی وجود مثل لوہا مٹی کا ڈھیلا وغیرہ کیوں نہ لیا جائے۔ ان دونوں میں ماسوائے

[۱] نوٹ۔ بروئے سائنس مغربی۔ سلفر۔ سلیکن۔ فاسفرس۔ کلورین۔ میگنیشیم سوڈیم۔ الومینیم۔ پوٹاشیم۔ کیلشیم۔ لوہا۔ تانبا۔ جست۔ چاندی۔ ٹین سونا۔ سیسہ وغیرہ وغیرہ۔ بہت سے عنصر ہیں۔ مگر ان سب میں خاکی وغیرہ ذرات شامل ہیں۔ اور حرارت و باد وغیرہ کے مختلف درجوں سے یہ تبدیلیاں ہو جاتی ہیں اسلئے ان چیزوں کو چھوڑ دیا گیا ہے +

[۲] ویشیشک ۱-۱-۵ [۳] ویشیشک ۱-۱-۱۵ +

خالی نہیں۔ یہ پڑتال دو طرح پر ہو سکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اِن کو توڑنا شروع کیا جائے۔ توڑنے سے ہر ایک وجود ریزوں کی شکل میں آجائے گا۔ اور اِس لئے کہا جائیگا۔ کہ ہر ایک وجود ان ریزوں کا مرکب یا معلول ہے۔ دوسرا طریق اس سے زیادہ لطیف اور دلچسپ مگر دقّت طلب ہے۔ اس میں اول ہر وجود یا چیز کے افراد کو قسم وار جدا کرنا ہوتا ہے۔ اور پھر ہر نوعیت کے افراد کی پڑتال کرنی پڑتی ہے۔ ڈھیلے کی صورت میں اول ضروری ہے کہ اس میں حتیٰ بقدر حرارت ممکن ہو سکے داخل کی جائے۔ تب معلوم ہوگا۔ کہ اول دہواں اُڑا پھر بخارات اُٹھے اور کچھ خاک کی شکل میں رہ گیا۔ اِس خاک کو سونگھنے سے معلوم ہوگا۔ کہ اس میں کسی قدر لطیف بو موجود ہے۔ اگر اس کو برابر لگاتار حرارت دیتے جائیں۔ تو بالآخر یہ خاک بھی تر سنگی اور دھوئیں یا بخارات کی شکل میں تبدیل ہو جائیگی۔ ڈھیلے کے اجزا جو دھوئیں کی شکل میں موجود ہیں (اگر اُس دھوئیں کو اکٹھا کرلیا جاوے) کاربن کہلاتا ہے۔ اور بخارات والے اجزا اگر جمع کئے جائیں تو ان میں سب سے بڑی مقدار پانی کی ملے گی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مٹی کے ڈھیلے میں سب سے بڑا جزو کاربن۔ کسی قدر اور کسیقدر اور اجزا تھے۔ جو اس عمل میں ہاتھ نہیں لگے۔ کیونکہ اس کاربن اور پانی کا وزن بہر حال ڈھیلے سے کم ہی ہے۔ ڈھیلے کے جو ریزے پہلے عمل میں کئے گئے تھے۔ اُن میں پانی کے اجزا بہرکیف قائم تھے۔ جو اس دوسرے عمل سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ پس نتیجہ یہ ہے۔ کہ مٹی میں بُو اس کی ذاتی صفت ہے۔ اور سختی اس کا خاصہ ہے۔ شکل و روپ و رنگ اِس میں آگ کی وجہ سے ہٹنے اور چھوٹ جانے کی قابلیت ہوا کی موجودگی سے پائی جاتی تھی۔

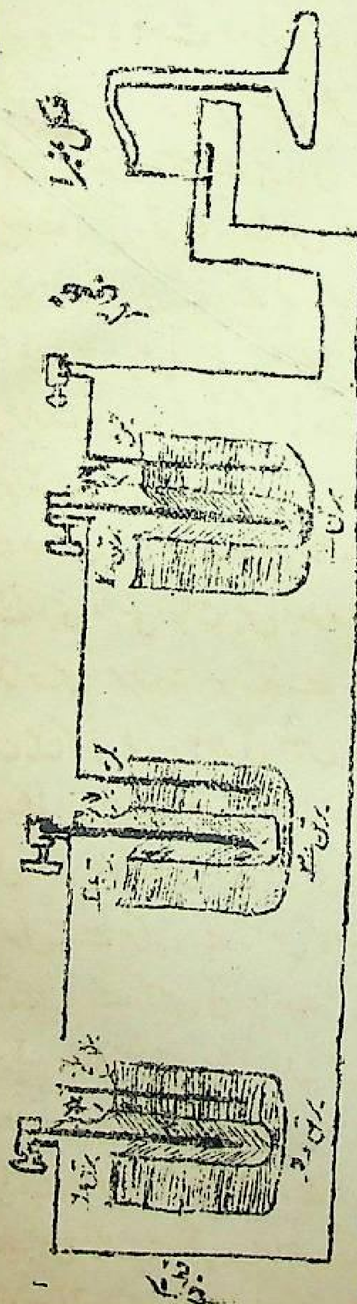
اور نرمی و سردی اس میں پانی کی وجہ سے تھی۔ کیونکہ ڈھیلے کے
ریزوں میں جو سختی تھی وہ پانی اور بخارات کی شکل میں نہیں۔ اور
پانی میں جو نرمی تھی۔ وہ بخارات میں نہیں ملتی۔ مٹی کے ڈھیلے کو
چھوڑکر کیونکہ اس میں مٹی کے اجزا کی غیر معمولی زیادتی ہے۔ اگر
نباتات میں سے کسی کو لیا جائے۔ تو یہ سب باتیں زیادہ صفائی سے
نظر آئیں گی۔ کیونکہ اُن میں متذکرہ بالا دیگر اجزا کی بھی خاصی مقدار
موجود ہوتی ہے۔ نباتات کے جلانے میں جو خاک باقی رہ جاتی ہے
اُسے بھی مفرد نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ اگر اُس میں اور زیادہ حرارت
داخل کیجائے۔ تو بلاشبہ یہی صورتیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں۔
کسی نہ کسی اندازے میں پھر بھی ظہور پذیر ہوں گی۔ حتیٰ کہ یہ ریزے
قطعی آنکھ سے معلوم نہ ہوسکیں گے۔ یعنی شکل اور رنگت بھی
ان میں مفقود ہو جائے گی ÷

پانی کے اجزا

اب پانی کو دیکھیے جو معمول مٹی کے ساتھ
ساتھ اور اس سے جدا بھی ملتا ہے۔ مٹی
کی ہمراہی کا ثبوت تو ڈھیلے نباتات وغیرہ کی پڑتال سے ملتا ہے
مگر علیحدگی ظاہر ہی ہے۔ بہتے ہوئے پانی میں مٹی کے اجزا
اکثر صورتوں میں اس کے اندر شامل رہتے ہیں۔ لیکن برف اور
اولوں کی شکل میں پانی خالص ہوتا ہے۔ اس میں خوشبو یا بدبو
بالکل نہیں ہوتی۔ نہ اس میں حرارت ظاہر ہوتی ہے۔ گو ہوتی ضرور
ہے۔ ہاں سردی بہت ہوتی ہے۔ جو اس امر کو بتاتی ہے کہ پانی کا
اپنا ذاتی خاصہ سرد ہے۔ لیکن برف یا اولا باہر کی ذرا سی حرارت
ہونے سے بہنے لگتی ہیں۔ اور جوں جوں حرارت کی زیادتی ہوتی
جاتی ہے۔ اس کے اجزا میں اضطراب پیدا ہوتا جاتا ہے۔ اور بالآخر

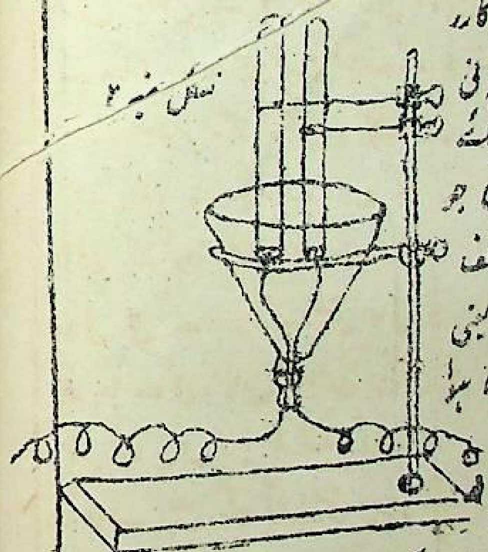
زیادہ حرارت پہونچنے پر یہ بہنا بھی جاتا رہتا ہے۔ کیونکہ اب پانی
بخارات کی شکل اختیار کرتا ہے۔ یہاں ایک شک پیدا ہوتا ہے
کہ یہ بہنا یا مائعیت (دربہ دتو) پانی کی صفت ہے۔ یا آگ کی۔
کیونکہ تیسری کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی۔ اس شک کی تردید اس
طرح پر غور کرنے سے ہو جاتی ہے۔ کہ بہنا یا مائعیت اگر آگ کی
صفت ہوتی۔ تو بخارات میں حرارت جو آگ کی موجودگی کا ثبوت
ہے۔ زیادہ ہونے سے بخارات میں مائعیت اور بھی زیادہ پائی
جاتی ہے۔ اس لئے یہ پانی کی ہی خاص صفت ہے۔ جو کہ آگ
یا حرارت کی عدم موجودگی یا بہت ہی کم مقدار میں موجودگی کا
ثبوت ہے۔ یعنی برف اور اولے کی حالت میں بھی مائعیت ہے
کیونکہ اس میں حد درجہ کی ملائمت موجود رہتی ہے۔ اور صرف اس
لئے اپنی اصلی حالت میں معلوم نہیں ہوتی۔ کہ حرارت کے جملہ
اجزاء میں موجود نہ ہونے سے یا کافی طور پر موجود نہ ہونے سے
ان میں کافی طور پر علیحدگی نہیں رہ سکتی تھی اور زیادہ حرارت کے
پہونچنے پر ان میں علیحدگی بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہ پانی کی تقسیم
اس امر کو ثابت کرتی ہے۔ کہ مٹی کی طرح پانی بھی ذرّات یا لطیف
حصوں سے مرکب ہے۔ اس کا بہت ہی بدیہی ثبوت یہ ہے۔ کہ
پانی میں سے اس کی چاہے جسقدر مقدار علیحدہ کرلو۔ مگر ان
لطیف سے لطیف مقداروں میں جو انسان کر سکتا ہے نوعیت
بالضرور قایم رہتی ہے۔ اس لئے یہ نہ سمجھنا چاہیے۔ کہ یہ نوعیت
منفرد ہے اس امتحان کے لئے دوسری طرح کے تجربہ کی ضرورت
ہے۔ جس کے لئے گردو صاحب کے مورچے سے امداد لینی پڑیگی۔
جو حسب ذیل ہے؛

اس شکل میں نمبر ۱ و نمبر ۵ و نمبر ۵ دوہرے برتن ہیں۔ یہ شیشے یا چینی کے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے اندر ایک ساوار مٹی کا



برتن نمبر ۲ و نمبر ۴ و نمبر ۶ سے اندرونی یعنی مٹی کے برتنوں میں شورے کا تیز تیزاب بھرا ہوا ہے اور ان میں پلاٹینم کے پترے لٹک رہے ہیں۔ بیرونی یعنی شیشے یا چینی کے برتنوں میں گندھک کا تیزاب پانی کے ساتھ ملا ہوا بہت سے بھرا ہوا ہے۔ اور ان میں جست کے پترے لٹک رہے ہیں۔ برتن نمبر ۴ کا پلاٹینم کا پترا برتن نمبر ۵ کے جست کے پترے سے اوپر کی جانب اور برتن نمبر ۳ کا جست کا پترا برتن نمبر ۲ کے پلاٹینم کے پترے سے ملا ہوا ہے اور برتن نمبر ۶ کا پلاٹینم کا پترا ایک تار سے جو بائیں جانب کو چلتا ہوا نیچے کی طرف کو پڑا ہے اور برتن نمبر ۱ کا جست کا پترا دوسرے تار سے جو دائیں جانب کو پڑا ہے۔ ملا ہوا ہے۔ برقی

رو ایک دوسرے میں ہوتا ہوا تمام تاروں اور بیٹروں میں چلتا
رہتا ہے۔ اِن دونوں یعنی دائیں اور بائیں جانب کے تاروں کو
قطبی تار کہتے ہیں۔ اِن میں مثبت بجلی کا رو جاری رہتا ہے اِس
ترکیب سے یہ برقی رو ضائع نہیں ہوتا بلکہ محفوظ رہتا ہے۔ اب
ایک بوتل کی نیچے کی سطح الگ کر کے اِس کے منہ میں کاک کی
ڈاٹ لگا کر اِسے پلٹ لینا چاہیئے۔ اور اِس میں پانی ڈالدینا
چاہیئے۔ دو شیشہ کی نلیاں جو پانی سے بھری ہوئی ہیں۔ منہ کی
جانب سے اِس پانی میں ڈبو کر یہ دونوں قطبی تاریں کاک کے اندر
کو ایک ایک نلی میں داخل کردو۔ جیسا کہ شکل ذیل سے ظاہر ہوگا



شکل نمبر ۴

ان تاروں کے ذریعے بجلی کا رو
دونوں نلیوں میں پہونچکر پانی
کو پھاڑ دیگا۔ اور دونوں نلیوں میں بجائے
پانی کے گیس بھر جاوینگی جو
بالکل ایک دوسرے سے مختلف
خاصیتوں والی ہوں گی۔ یعنی
جس نلی میں پلاٹینم سے ملا ہوا
تار ہے۔ جس میں آکسیجن
اور دوسری میں ہائیڈروجن
ہے۔ اِن نلیوں کے منہ پر بوتل کے اندر ہی اندر ڈاٹ لگا کر نکال
لینا چاہیئے۔ اور اسی طرح چند نلیاں اور بھر کر اُن میں بھی یہی
گیسیں بھر لینی چاہئیں۔ تاکہ ان کی بابت مختلف تجربے کرنے میں
آسانی رہے۔ مگر یہ خیال رہے کہ ہر دو قسم کی نلیوں کو جدا جدا رکھنا
چاہیئے۔ اِن نلیوں میں اول یہ بات غور کرنے کے قابل ہے ✦

کہ ہائیڈروجن والی نلی کے اندر جو گیس ہے۔ اُس نے تقریباً ⅔ حصہ اور آکسیجن نے دوسری نلی میں ⅓ حصہ گھیرا ہوا ہے۔ اِس سے ثابت ہے کہ پانی میں بلحاظ حجامت کے دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن ہوتی ہے۔ اور اگر ان دونلیوں کو لیکر ایک دوسرے کا منہ ملا دیا جائے تو وہی پانی پھر بن جائے گا جو پھاڑا گیا تھا۔ اور ان میں ذرا بھی اختلاف نہ ہوگا۔ پس ظاہر ہے کہ ان دو گیسوں کے سوا پانی میں اور کچھ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر اول اس پانی کو جسے پھاڑا گیا ہے۔ اور پھر ان نلیوں والی گیسوں کو تولا بھی جائے تو وزن بالکل ایک ہی ہوگا۔ یعنی آکسیجن کا وزن بمقابلہ ہائیڈروجن کے ۸ گنا ہے۔ اسی طرح مختلف آلہ جات کے ذریعہ مختلف تجربے کرتے ہوئے معلوم ہوگا۔ کہ آکسیجن جلنے میں مدد دینے والی مگر خود نہ جلنے والی ہے۔ برخلاف اس کے ہائیڈروجن جلنے میں مدد نہ دینے والی بلکہ خود جلنے والی ہے۔ اِس امر کا ثبوت یہ ہے۔ کہ ہائیڈروجن والی نلی کے اندر ایک جلتی ہوئی بتّی داخل کی جائے۔ تو بتی فی الفور بجھ جائے گی۔ لیکن اگر اس روشن بتی کو شیشی الٹ کر اُس کے منہ کے پاس لایا جائے۔ تو فی الفور گیس مذکور جلنے لگے گی۔ لیکن برخلاف اِس کے اگر جلتی ہوئی بتی کو آکسیجن کی شیشی میں ڈالا جائے۔ تو بتی مذکور برابر جلتی رہے گی۔ اور اگر لکڑی کا ایک جلتا ہوا گرم ٹکڑا۔ آکسیجن والی شیشی کے منہ کے پاس لایا جائے۔ تو ٹکڑا مذکور جل اُٹھیگا۔ اور شعلہ نمودار ہوگا۔ مگر گیس مذکور خود نہ جلے گی۔ گو بعض اور ترکیبوں سے بعض اوقات یہ جل بھی پڑتی ہے ؂

مگر پانی کے اِن حصوں کو وید یا قدیم سائنس نے اور ہی

معنے انگیز پیرایہ میں اس طرح بیان کیا ہے۔ یہ بیان رگوید کے دوسرے سوکت میں بہت تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ اول دویم و سوم منتر میں کرّہ ہوائی کا حال بتاتے ہوئے منتر نمبر ۴ میں سورج اور ہوا کے ذریعے بارش کا ہونا بتایا ہے۔ پانچویں اور چھٹے میں یہ بتاکر کہ سورج اور ہوا قوت کشش اور تیز رفتاری کی بدولت دیگر پیدا ہوئی چیزوں تک پہنچکر اُن کو قائم اور تر و تازہ کرتے رہتے ہیں۔ اور تمام نباتات میں رَس (تری و تازگی) بخشتے ہیں۔ ساتویں منتر میں پانی کی پیدائش اور تر و تازگی کے اصول کا راز بتاتا ہے۔ جو حسب ذیل ہے ؛

لفظی ترجمہ	گھرتاچی	دِھییم
	پانی یا تر و تازگی پیدا کرنے کے لئے	علمی کیمیائی ترکیب سے
پوتہ دکشم مترم	چہ	رِشادسم ورُنم
پوتہ دکش صفت والے متر	اور	رشادصفت والے ورن کو
ہَوے	سادھنتو	
لیکر	سادھن بنانا چاہئے ؛	

تفسیر

جس عمل سے پانی یا تر و تازگی حاصل کی جائے۔ اُسے گھرتاچی کہتے ہیں۔ (گھرت پانی کا نام ہے بروئے نگھنٹو ۱-۱۲) دِھییم اُس فعل یا ترکیب سے مراد ہے جو علمی طور پر اختیار کی جائے۔ لفظ ہوِنے میں یہ مفہوم شامل ہے کہ متر اور ورن کو جدا جدا لینا یا حاصل کرنا چاہئے۔ پوتہ کے معنے پاک یا پاکیزہ کرنیوالی اور دکش کے معنی قوت کے ہیں۔ متر کے لغوی معنی ہیں ناپنے والا یا دوسروں کے ساتھ ملاپ کا قصد کرنیوالا۔ یا کشش کرنے والا ہیں ؛

یہ اُدن کا مترادف بھی آتا ہے۔ جس کے معنے نکلنا یا اوپر کو اٹھنے والا ہیں
علاوہ ازیں یہ سورج اور اجسام میں موجود۔ تجمیس (ہوا) کے معنوں
میں بھی آتا ہے۔ (دیکھو بھاشیہ رگوید مہرشی دیانند)

پس منتر کی ان صفتوں - کاموں اور خاصیتوں کو اگر جدید سائنس
کے الفاظ میں بیان کرنا ہو تو اس کو ہائیڈروجن کہہ سکتے ہیں۔
کیونکہ فزکس (علم طبیعات) میں بیان کی ہوئی دیگر خاصیتوں کے
علاوہ علم سیارگان کی رو سے (جیساکہ باب اول متعلق سورج میں
درج ہے۔) یہ بھی امر ثابت ہے کہ سورج میں سب سے بڑی مقدار
ہائیڈروجن کی ہی ہے۔ اسی طرح اجسام میں بھی یہ بالضرور موجود
رہتی ہے۔ اور بہت کچھ وہی کام کرتی ہے۔ جو سورج برہمانڈ میں
پس اس میں ذرا کلام نہیں۔ کہ منترے وید کے اس منتر میں جو
کچھ مراد ہے۔ وہی ہائیڈروجن کا مفہوم ہو سکتا ہے گذشتہ پتھ برہمن
میں منتر سے مراد پران یا اندر جانے والے[1] سانس سے بھی اس کے
لغوی معنوں سے لی گئی ہے۔ مگر اس منتر میں پانی اور رشاد صفت
والے ورن کے تعلق سے اس سے یہ مراد نہیں ہو سکتی۔

پانی کا دوسرا جزو اس منتر میں ورن ہے۔ جو دھاتو سے
مشتق ہے اس کے معنے قبول کرنے لپند کرنے احاطہ کرنے اور
گھیرنے کی خاصیت کے ہیں۔ پس ورن کے معنے اس لحاظ
سے قبول کرنے یا ڈھانپنے کی خاصیت والا ہوئے۔ اس کی صفت
اس منتر میں رشاد یعنی بیماریوں یا کثافت کو دور کرنیوالی
خاصیت کے ہیں۔ مہرشی دیانند نے اپنے بھاشیہ میں بتایا ہے۔
کہ یہ پران اپان ہر دو معنوں میں آتا ہے۔ خاصکر اپان کے معنوں میں

[1] اپان اس وایو کو بھی کہتے ہیں۔ جو ناف کے نیچے رہتا ہے۔ مگر یہاں اس سے مراد نہیں ہے

अपानो वरुणः   دیکھو شست پتھ ۳-۱۵-۱-۲

جدید تحقیقات کی رو سے پانی کے اس جزو کا نام آکسیجن ہے۔ کیونکہ متذکرہ بالا جملہ خاصیتیں اسی کی ہیں۔ یہ تمام کچی دھاتوں کو کھا جاتی ہے۔ یا زنگ کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ اور ہڈیوں کو جلا دیتی ہے۔ خون کا عطر نکالکر صاف کردیتی ہے۔ جسم کے ڈھانچہ کو زندہ رکھتی ہے۔ حیوانات کے جسم میں جاکر منہ میں اُس کی ملاقات اول اُس ہوا یا گیس سے ہوتی ہے۔ جو اندر موجود ہوتی ہے یہاں یہ اپنے متر (دوست) ہائیڈروجن (ویدک الفاظ میں متر) سے ملکر زبان پر کسی قدر رس پیدا کردیتی ہے۔ جو گلے میں طراوت کا کام دیتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ دو دوستوں یا عزیزوں کے ملنے سے بھی بشاشت یا طراوت آتی ہے۔ اور تمام چیزوں میں ذائقہ پیدا کرتا ہے۔ پھر حلق سے نیچے اترکر یہ پھیپھڑوں میں خون کو صاف کرتا ہے۔ پھر کاربن سے لیکر کاربانک ایسڈ گیس کی شکل میں باہر آجاتا ہے۔ اس وقت یہ چونکہ اندر سے باہر آتا ہے۔ اس کا نام قدیم سائنس نے اپان خاصکر رکھا ہے۔ حیوانات کے جسم سے باہر آکر یہ نباتات کے جسم میں داخل ہوکر کاربن کو چھوڑ دیتا ہے اور اپنی اصلی شکل اختیار کرکے یعنی آکسیجن گیس بنکر یہ پھر باہر حیوانات کے جسم میں جانے کے لئے آجاتا ہے۔ کیونکہ اجسام کے اندر جو گیس موجود رہتا ہے۔ وہ اس کا بڑا ہی عزیز دوست ہے۔ اور اس کی طرف یہ بڑا ہی میلان رکھتا ہے۔ پس پوت وکش والی صفت دکے متر اور رشاد صفت والی ورن کے باقاعدہ ملنے سے ہی پانی بنتا ہے۔ اب منتر ۸ و ۹ ملاحظہ ہوں۔ جو اس کے آخری منتر ہیں ÷÷

ریت سپرشا   رِ تیے نہ

الیشور یہ گیان (قانون قدرت) میں بندھے ہوئے تر وتازگی یا پانی پیدا کرنے

مترا ورنو   برہنتیم

متذکرہ بالا مترا ورون (ہائیڈروجن اور آکسیجن) مختلف طرح کے

کرتوم   رِتا برِدھو

ترکیبوں سے پانی پیدا کرنے میں علت ہوئے ہوئے

آشا تھے

ملتے ہیں ÷ تفسیر

مطلب صاف ہے کہ ہائیڈروجن اور آکسیجن قدرتی قاعدوں کے بموجب مختلف طریق پر پانی بناتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً بیرونی دنیا میں آفتاب وغیرہ کی شکلیں اختیار کرکے اجسام میں رس اندر اور باہر کی ہواؤں یا گیسوں کے لباس میں وغیرہ وغیرہ ÷

مترا ورنا   اُرو کشیا

مترا ورون (ہائیڈروجن اور آکسیجن بہت چیزوں یا وجود میں رہتے ہیں

توجا توو   تھ

دونوں بہت سی ترکیبوں سے پیدا ہوتے ہیں جاندار وں کے لئے

اپ سم   دکشم

راحت درنج پیدا کرنیوالے کاموں کیلئے قوت دینے والے یعنی کام کرنیکی طاقت دوھاتے

دینے والے ہیں ÷

مطلب یہ ہے کہ متراورن بے شمار چیزوں میں موجود ہیں۔ اور مختلف طریقوں سے حاصل یا پیدا ہوتے ہیں۔ یہ جاندار وں

کی زندگی کا باعث ہیں۔ کیونکہ کام کرنے کی طاقت ان ہی سے حاصل
ہوتی ہے۔ الغرض معنیٰ کی علت۔ اِس کے ذرات۔ حرارت اور
پانی ہیں۔ پانی کی بابت بھی معلوم ہوا ہے۔ کہ یہ خود مفرد نہیں۔
بلکہ دو گیسوں ہائیڈروجن اور آکسیجن یا مترا ورن سے (جو کہ
پوت وکش اور ریشاو صفت والے ہیں) بنتا ہے۔ ان دونوں
میں سے ایک یعنی متر گرم ہے۔ اور دوسری آکسیجن یا ورن ہے
جو کہ نمی یا رس کو لئے ہوئے ہوتی ہے۔

اگنی

عام طور پر جس کو آگ کہا جاتا ہے۔ وہ کئی علتوں سے ظاہر ہوتی ہے
مثلاً ایک موم کی بتی کو جلایا جائے تو موم کے بتی سے
جلنے میں حسب ذیل تبدیلیاں واقع ہونگی۔ بتی کا موم
کاربن + ہائیڈروجن - یہ مادہ جب ہوا کی آکسیجن کے ساتھ کیمیائی
اندازے سے ملنے لگتا ہے۔ تو اِس سے دو چیزیں بنتی ہیں -
کاربانک ایسڈ گاس اور پانی یعنے کاربن اور آکسیجن کی آمیزش
سے کاربن ایسڈ گاس اور ہائیڈروجن اور آکسیجن کی آمیزش سے
پانی - بتی کے جلنے میں جو دھوئیں سے نکلتا دکھائی دیتا ہے۔
اُسے کاربن کہا جاتا ہے۔ اگر جلتی ہوئی بتی کے اوپر کوئی کاغذ
اس طرح رکھا جائے کہ وہ جلنے نہ پائے۔ تو جو سیاہ مادہ اُس پر
جم جاتا ہے - وہ یہی مادہ ہے جو دھوئیں کی شکل میں بتی سے
خارج ہوتا ہے۔ اور اسی کو کاربن کہتے ہیں۔ پانی کی بابت لکھا
جا چکا ہے۔ کہ اس میں ہائیڈروجن اور آکسیجن ہے۔ پس موم کی بتی
کا ہائیڈروجن جب ہوا کی آکسیجن سے ملتا ہے۔ تو پانی کی شکل
اختیار کر لیتا ہے۔ کیونکہ اگر اس جلتی ہوئی بتی کے ان تمام اجزاء
کا وزن کیا جائے۔ تو تقریباً ۲ فیصدی کے وزن بڑھ جائے گا۔

جو اس امر کا ثبوت ہے کہ بتی کے جلنے میں باہر سے کوئی مادہ شامل ہوا ہے جس نے اس کا وزن بڑھا دیا ہے۔ چونکہ یہ ہائیڈروجن سے ملکر پانی کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اس لیئے لازمی طور پر یہ آکسیجن ہے۔ ماسوائے آکسیجن کے کیمیائی طور پر آمیز ہوئے بدوں کسی چیز کا جلنا بھی ناممکن ہے۔ مگر چونکہ آکسیجن خود بذاتہ جلنے والا نہیں اس لیئے اسے اصل آگ نہ بھی کہہ سکیں۔ تاہم اس میں کلام نہیں کہ اس کے جلنے میں مدد نہ دینے سے کوئی شے جل بھی نہیں سکتی برخلاف اس کے اگرچہ ہائیڈروجن خود جلنے والی گیس ہے۔ مگر بلا شراکت آکسیجن کے اس میں جلنے کی طاقت نہیں۔ اس لئے مغربی فاضلوں نے آگ کی بجائے خود مادہ ہونے سے انکار کیا ہے۔ اور حرارت کو مادہ کی ایک کیفیت یا حالت مانا ہے۔ جو امتزاج کیمیائی سے پیدا ہوتی ہے (گو بعض وقت وہ محسوس نہیں ہوتی) اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جسوقت کوئی ٹھوس چیز کسی مائع کے ساتھ ملتی ہے وہ تو ٹھوس سے یا دونو کی مائع حالت اختیار کرتے وقت اگر حرارت مخفی زیادہ ہوتی ہے۔ تو حرارت کا اثر جو کیمیائی عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ صرف دونو مائع بن جاتے ہیں۔ اور سردی نمایاں ہوتی ہے۔ لیکن مخفی حرارت اگر کم ہو تو ضرور بقایا حرارت کا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کاسٹک پوٹاش کو پانی میں ڈالیں تو حرارت محسوس ہوگی۔ لیکن اگر برف میں نمک ڈالا جائے۔ تو نمک مائع تو بن جائیگا۔ لیکن مرکب بارد (سرد) ہوگا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ برف مائع حالت اختیار کرتے وقت بہت سی حرارت نمک سے لیکر مخفی کرتی ہے۔ جب حرارت کم ہوگئی۔ تو اس کا اثر بارد ہوگا نیز مائع چیز جب بخارات بن کر اڑتی ہے۔ وہ ہر جگہ سے حرارت لیکر

حرارت کو اس مائع کے بخارات بنانے میں صرف کر دیتی ہے۔
جسکا نتیجہ یہ ہے۔ کہ مائع چیز سرد ہو جاتی ہے۔ اسی اصول سے برف
بنانے کی ترکیب اخذ کی گئی ہے۔

الغرض اب یقین کیا جاتا ہے۔ کہ جسکو جلنا کہا جاتا ہے۔ وہ درحقیقت
کیمیائی امتزاج ہے۔ جس کی وجہ سے بعض وقت حرارت اور بعض وقت
روشنی نمودار ہوتی ہے۔ اور اس لئے جب یہ کہا جائے کہ فلاں شے
جل رہی ہے۔ تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں۔ کہ جلنے والی شے
کے اجزا کسی دوسرے مادہ کے ساتھ (مثلاً کاغذ کی حالت میں
آکسیجن سے) شامل ہو رہے ہیں۔ یہ کیمیائی امتزاج تقریباً تمام صورتوں
میں ماسوائے بعض کے (مثلاً ہائیڈروجن اور کلورائن کے ملنے
سے ہائیڈروکلورک ایسڈ۔ اور تانبا و گندھک کے ملنے سے کوپر
سلفائڈ بنتا ہے) ہمیشہ آکسیجن کے ساتھ ہوتا ہے۔ مگر سوال یہ
ہے کہ حرارت جو کیمیائی امتزاج کا نتیجہ ہے۔ بذات خود کیا ہے۔ یہ
ایک جسم سے دوسرے جسم میں جا سکتی ہے اور اس وقت ظاہر
ہوتی ہے۔ جبکہ کسی جسم کے اجزا نہایت تیز حرکت یا جنبش میں
ہوں۔ اگر ایک گرم جسم کو سرد جسم کے برابر ملا کر رکھیں۔ تو اس
کے اجزا کی حرکت تو جی دوسرے جسم کے اجزا میں بھی ہو کر
حرارت پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن گرم جسم کو اگر تولا جائے۔ تو اس کے
وزن میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔ مگر گرم جسم میں سرد کی نسبت زور
زیادہ ہوتا ہے۔ ان کل امور پر غور کر کے مغربی سائنس یہ نتیجہ
نکالتی ہے۔ کہ حرارت یا تو حرکت ہے یا خلا میں جو ایک بے وزن
لچکدار شے ہوا سے بھی پتلی پھیلی ہوئی ہے۔ جسے ایتھر کہتے ہیں
اس کی جنبش مادی چیزوں میں ہو کر گرمی بڑھاتی ہے۔ لیکن

اگر حرارت کے دوسرے ظہوروں مثل بجلی وغیرہ اور روشنی پر غور کیا جاوے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالضرور ایک حقیقی مادی چیز ہے۔ اور محض اس وجہ پر اس کو غیر مادی نہیں کہہ سکتے۔ کہ اس میں وزن نہیں۔ سیدھے الفاظ میں یہ کہنا چاہیئے۔ کہ آگ کا وزن معلوم کرنے کی ترکیب ابھی تک معلوم نہیں ہوئی۔ رگوید میں بتایا ہے۔ کہ اگنی کا ظہور سورج آگ اور بجلی کی شکل میں اور دران کا (سرو عنصر) ہوا پانی اور چاند کی شکل میں ہوتا ہے۔ چنانچہ منڈل ایک سوکت بارہ میں اگنی کی مختلف خاصیتیں بتاتے ہوئے منتر منبر ۲ میں بتایا ہے۔

اگنی	گوہیہ
آگ	ایسی روشنی ڈالا کہ جس پر آنکھ قائم نہیں ہو سکتی

یُوا
دوسرے وجودوں میں ملکر ان کو لطیف کرنے والا

ہگو ودات
جلتی ہوئی چیزوں کے ریزوں کو ادھر ادھر پھیلانے والا

گرہ پتی	اگنیا
مقامی کاموں میں سربراہ	بجلی کی شکل میں

ہمید ھیتے
کامل طور پر ظاہر ہوتا ہے ؏

اس سے ظاہر ہے کہ اگنی یا حرارت جسموں میں کشش اتصال کے برخلاف عمل کرکے ان کے اجزاء کو پھیلاتی اور منتشر کرتی ہے اور ان کا حجم بڑھاتی ہے۔ یعنی کشش اتصال کو کم کرتی ہے۔ اس کے علاوہ۔ ہوا کا دباؤ جو اجسام پر ہے۔ اس کو کسی قدر نمائی

کرتی ہے۔ اور بعض اجسام میں بھٹاؤ مثلاً برف اور مٹی میں
اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان میں سے نرمی حرارت کی کثرت
سے بخارات بنکر اڑ جاتی ہے۔ حرارت کی وجہ سے اجسام جب پھیلتے
ہیں۔ تو عام قاعدہ یہ ہے کہ گاسیں بہت زیادہ پھیلتی ہیں۔
مائعات ان کی نسبت کم اور ٹھوس اجسام ان سے کم ؛

عمل حرارت کے طریقے

جسموں کا یہ پھیلاؤ اس وجہ سے ہوتا ہے
کہ حرارت ہمیشہ اپنے آپ کو منتشر کرنا چاہتی
ہے۔ مثلاً اگر ایک جسم گرم ہو تو ہمیشہ گرم
نہ رہے گا۔ اپنی گرمی آس پاس کی اشیاء
کو پہنچا دے گا۔ اس کے تین طریقے ہیں (۱) سرائت (۲) ایصال
(۳) انتشار مثلاً (۱) ایک لوہے کی میخ آگ میں رکھی جائے
تو تھوڑی دیر میں آگ کی حرارت میخ کے اس سرے میں آئیگی
جو آگ کے اندر ہے۔ اور پھر میخ میں پھیلتے پھیلتے دوسرے
سرے تک پہنچ کر دوسرے سرے کو بھی گرم کر دے گی۔ اور
وہ گرم ہوتے ہوتے اس قدر تپ جائے گا۔ کہ اُسے ہاتھ بھی
نہ لگایا جا سکے گا۔ لوہے کی میخ میں حرارت کے اس طرح پر ایک
مقام سے دوسرے مقام تک گذرنے کے عمل کو سرائت کہتے
ہیں (۲) ایک شیشی کو ۔ پانی تک بھر کر آگ پر گرم کیا جائے
تو پانی کے نیچے کے اجزاء۔ جوں جوں گرم ہوتے جائیں گے۔ پھیلتے
جائیں گے۔ اور اسی سبب سے ہلکے ہوکر اوپر آ جائیں گے۔ اور
پانی کے وہ ذرے جو ٹھنڈے اور بھاری ہیں۔ وہ ان کی جگہ
نیچے چلے جائیں گے۔ اور اسی طرح پانی کے نیچے اوپر سے نیچے
پینڈی کی گہرائی تک آتے جائیں گے۔ اور آخر کار تھوڑے سے

برتن میں سارا پانی گرم ہو کر اُبلنے لگیگا۔ اس عمل کو ایصال حرارت بولتے ہیں ۔

(۳) جب گرم اجسام مثل آفتاب۔ شعلہ۔ چراغ وغیرہ سے حرارت ایک رقیق مادے ایتھر کے ذریعے جو خلا میں مانا گیا ہے کسی چیز میں اس طرح پہونچتی ہے۔ جس طرح کرزش کرنیوالے اجسام سے آواز تو اس عمل کو اشاعِ حرارت کہتے ہیں یہ ہر دو طریقہ جات مندرجہ بالا سے مختلف ہے ۔

سرایت حرارت کی کمی زیادتی

سرایت کی حالت میں حرارت ٹھوس مادے کے ذروں کے وسیلے سے پہنچتی ہے۔ اور ایصال کی حالت میں مایع مادے کے وسیلے سے۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ بعض چیزوں۔ مثل پتھر شیشہ۔ اون اور پروں وغیرہ میں حرارت ایسی اچھی طرح سرایت نہیں کرتی جس طرح لوہے وغیرہ دھاتوں میں۔ اور اس لئے ایسی چیزیں جنمیں حرارت اچھی طرح سرایت نہیں کرتی۔ نہ تو اندر کی حرارت باہر آنے دیتی ہیں۔ اور نہ باہر کی اندر۔ اسی طرح ہر چیز میں سرایت حرارت یکساں بھی نہیں ہوتی۔ بعض میں کم اور بعض میں زیادہ بعض میں جلد اور بعض میں آہستہ۔ یہ باتیں روزمرہ مشاہدہ میں آتی ہیں۔ مثلاً شیشے کی سلاخ کا ایک سرا آگ میں رکھیں تو اس کا دوسرا سرا ایسا گرم نہ ہوگا کہ ہاتھ میں پکڑنا دشوار ہو۔ لیکن لوہے کی سلاخ کا ایک سرا آگ میں رکھیں۔ تو دوسرے کو چھو نہیں سکینگے اس سے ثابت ہے کہ لوہے میں حرارت جلد جذب ہوتی ہے اور شیشے میں دیر سے۔ اون اور پروں میں حرارت شیشے سے بھی

کم سرایت کرتی ہے۔ اور یہی باعث ہے۔ کہ یہ جانوروں کو سردی اور آس پاس کی حرارت سے محفوظ رکھتے ہیں۔ کیونکہ جانوروں میں ذاتی حرارت بالعموم زیادہ ہوا کرتی ہے۔ پس جانوروں کے بدن پر جو اُون یا سمور کی پوشش ہوتی ہے۔ وہ اندر کی گرمی کو آسانی سے باہر نہیں نکلنے دیتے۔ اور نہ باہر کی حرارت کو جلد اندر آنے دیتی ہیں۔ مثلاً فلالین اس کام آتی ہے کہ جانوروں کے جسم کی حرارت اندر ہی رہے۔ وہاں برف پر لپیٹنے سے باہر کی حرارت برف کے اندر داخل نہ ہو +

پس سرایت حرارت چونکہ بعض چیزوں میں جلد جلد اثر کرتی ہے۔ اور بعض میں کم۔ اس کی وجہ یہ سمجھی جاتی ہے۔ کہ حرارت کے لحاظ سے اجسام تین طرح کے پائے جاتے ہیں۔ اول مُوصل یعنی وہ اجسام جنمیں حرارت بہت جلد اثر کرتی ہے۔ دوم مُوصل ناقص۔ یہ وہ اجسام ہیں۔ جن میں حرارت اثر تو کرتی ہے مگر مشکل سے + سوم۔ غیر مُوصل جن میں حرارت بالکل (لغو ذہی نہیں کرتی) اثر ہی نہیں کرتی۔ اور اسی واسطے جو جسم مُوصل یا یا موصل ناقص ہیں۔ انکا خاصہ ہے کہ وہ جب جسم پر حائل ہوتے ہیں۔ نہ تو باہر کی سردی یا گرمی کو اندر داخل ہونے دیتے ہیں اور نہ اندر کی سردی یا گرمی کو باہر نکلنے دیتے ہیں۔ گویا یہ جسم کے اندر اور باہر کی گرمی اور سردی کے درمیان ایک دیوار سی حائل ہوتے ہیں۔ اسی لئے برف کے سنجارات کی دیگ کو غیر مُوصل اشیاء سے ڈھک کر رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس تقسیم کو نقشہ ذیل سے دیکھنا چاہیے +

موصل ناقص	غیر موصل	موصل (اجسام)
الکحل۔ پسی ہوئی گندھک لپیا ہوا شیشہ۔ صفر درجہ حرارت کی یخ کاغذ۔ خشک۔ لکڑی +	خشک اکسائڈ۔ شیشہ گندھک۔ کہربا۔ تیل خشک کاغذ۔ پر۔ چمڑا ہڈی۔ ریشم۔ اون سوت۔ رال۔ بال۔ لاکھ۔ موم۔ خشک چونا گرم و خشک ہوا +	کوئلہ۔ دہات۔ پانی برف حیوانات۔ گھلنے والے نمک۔ تیزاب۔ نباتات ردی۔ ہوائے مرطوب

۲۔ ایصال حرارت کی رو

حرارت کے پہیلا اکا دوسرا طریقہ۔ یعنی۔ ایصال حرارت

اگرچہ عام طور پر مائع مادوں میں پایا جاتا ہے۔ مگر ہوا میں بھی بڑے زور سے ملتا ہے۔ جس کی وجہ چمنی کی گرم ہوا اوپر چڑھ جاتی ہے اور اس کی جگہ کمرے کی سرد ہوا چمنی میں داخل ہوتی رہتی ہے۔ یہی عمل زمین پر انتظام ہوائی میں بمقدار کثیر ظہور میں آتا ہے۔ کیونکہ زمین کے اُن مقامات پر جو خط استوا پر ہیں۔ نہایت تیز دہوپ پڑنے کے سبب وہاں کی ہوا گرم ہوکر کمرے کی ہوا کی طرح اوپر چڑھتی ہے۔ اور اُس کی جگہ قطبین سے ٹھنڈی ہوا کی لہریں زمین سے لگیں لگیں ان ہی مقامات پر آتی ہیں۔ اس طرح خط استوا کے قریب سے جو گرم ہوا اوپر اوپر قطبین کی طرف جاتی ہے یہی پھر وہاں سے ٹھنڈی ہوکر۔ زمین سے لگی لگی خط استوا کی طرف آتی رہتی ہے۔ ہوا کی یہ لہریں جو قطبین سے خط استوار کی طرف زمین کے پاس پاس چلتی رہتی ہیں

تجارتی ہوائیں کہلاتی ہیں۔

۳۔ اشاع حرارت

یہ بتایا گیا ہے کہ جب آفتاب وغیرہ سے حرارت اس طرح کسی جسم تک پہنچتی ہے۔ جس طرح کہ تھرتھرانے والے اجسام سے آواز تو اُسے اشاع حرارت کہتے ہیں۔ یعنی حرارت شعاؤں کی شکل میں ایک جسم سے دوسرے جسم میں جاتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً کمرے میں انگیٹھی جل رہی ہو اور کوئی اُس کے سامنے جا کھڑا ہو۔ تو اُس کی تیزی سے چہرے اور آنکھوں میں سوزش ہونے لگیگی۔ انگیٹھی کی آگ تیز ہوتی ہے۔ اس لئے اُس کی شعاعیں ظاہر ہیں۔ الّا گرم پانی کی چینی سے بھی حرارت کی شعاعیں نکلتی ہیں، گو وہ سورج اور آگ کی طرح روشن نہ ہونے سے آنکھوں کو محسوس نہیں ہوتیں۔ اسی طرح مٹی کے گولے کو گرم کیا جائے تو شروع سے ہی حرارت کی شعاعیں نکلنے لگتی ہیں۔ گو دکھائی نہیں دیتیں۔ مگر جوں جوں گولا زیادہ گرم ہوتا جاتا ہے۔ اُس کی کچھ کچھ شعاعیں آنکھوں سے معلوم ہونے لگتی ہیں۔ تھوڑی دیر میں وہ سُرخ ہو جاتا ہے۔ پھر اُس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ اس کے بعد حرارت پہنچتے پہنچتے گولا سفید ہو جاتا ہے۔ آخرکار دھکا کر سورج کی مانند چمکنے لگتا ہے۔ پس روشنی کا ظہور حرارت کے اُس درجے پر موقوف ہے۔ جبکہ اس کے کسی جسم پر پڑنے سے نظر کا احساس ہوتا ہے۔ یہ ایتھر کے ذریعہ دوسرے جسم تک پہنچتی ہے۔ اس کی رفتار آواز کی رفتار سے بھی تیز ہوتی ہے۔ جب کوئی توپ بہت دور چھوٹتی ہے۔ تو پہلے اُس کی رنجک کی چمک دکھائی دیتی ہے۔ پھر چند ثانیے بعد

اُس کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ روشنی کی رفتار ایک ثانیہ میں ۱۸۶۰۰۰ میل اور آواز کی صرف ۱۱۰۰ فیٹ ہے۔ روشنی جب دھات کی کسی جلا سطح پر پڑتی ہے تو وہ اُس سے منعکس ہوتی ہے۔ اگر کسی آئینے کے سامنے بتی روشن کر کے رکھ جائے۔ تو اُس کی تصویر آئینے میں دکھائی دے گی بتی سے آئینے پر شعاعیں پڑتی ہیں۔ اور پھر وہاں سے منعکس ہو کر آنکھ میں آتی ہیں۔ اور ایسا دکھائی دیتا ہے کہ گویا وہ بتی سے نہیں بلکہ خود آئینے ہی سے آنکھ میں آئی ہیں۔

روشنی کے لحاظ سے اجسام تین طرح کے سمجھے جاتے ہیں منور۔ شفاف۔ غیر شفاف۔ ایسی سے منور اُسے کہتے ہیں۔ جو اپنی ذات خاص سے روشن نظر آئے اور اپنے روشن ہونے میں کسی اور شے کی روشنی کا محتاج نہ ہو۔ جیسے آفتاب۔ شعلہ اور ریڈیم وغیرہ۔ جو جسم کسی اور شے کی روشنی سے دکھائی دے گو اُس میں سے روشنی ایک طرف سے ہو کر دوسری طرف پہونچ جائے۔ اُسے شفاف بولتے ہیں۔ جیسے حشیشہ یا پانی وغیرہ۔ جس جسم میں نہ تو اپنا ذاتی نور ہو اور نہ اُس میں سے روشنی ایک طرف سے دوسری طرف گذر سکے۔ اُسے غیر شفاف کہا کرتے ہیں جیسے دھات اور لکڑی ؀

روشنی کی بابت یہ بھی سمجھ لینا چاہیے۔ کہ سفید روشنی یا آفتاب کی روشنی مرکب ہے۔ اِس مرکب کو اس طرح پھاڑا جا سکتا ہے۔ کہ کسی اندھیرے مکان کی کسی کھڑکی میں ایک چھوٹا سا سوراخ ہو۔ اُس میں سے جو شعاع اندر آئے وہ منشور مثلثی (ایک قسم کا شیشہ) سے گذر کر مکان مذکور کی دیوار یا تختہ مقابل

پر ایک شکل بنائے گی۔ جسمیں رنگ بہ ترتیب ذیل ہونگے۔ اوّل۔ بنفشی (۲) نیلگوں (۳) آسمانی (۴) سبز (۵) زرد (۶) نارنجی (۷) سرخ۔ سفید شعاع کے کئی رنگوں سے مرکب ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے۔ کہ اگر ان ساتوں رنگوں کو ایک محدّب شیشے کے ذریعے منحرف کر کے کسی خاص مقام میں جمع کریں تو تمام رنگ اکٹھے ہونے کے بعد ایک سفید رنگ کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ یہی سات رنگ قوس وقزح یا اندر دھنش؛ میں صاف صاف اسی ترتیب سے نظر آتے ہیں۔ اِس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ مینہ کے چھوٹے چھوٹے قطروں میں سے بھی جو صاف اور شفاف ہوتے ہیں۔ آفتاب کی کرنیں منحرف ہو کر رنگوں میں پھٹ جاتی ہیں۔ یہ امر کہ دنیا میں مختلف رنگ جدا جدا کیوں موجود ہیں۔ انکا دار ومدار ہر جسم کے اجزا ترکیبی پر ہے۔ بعض اجسام کسی رنگ کی شعاع کو جذب کر لیتے ہیں۔ اور باقی کو منعکس۔ بعض کسی کو منعکس کر دیتے ہیں۔ اور باقی کو جذب کر لیتے ہیں۔ بعض بعض کو جذب اور بعض کو منعکس کر دیتے ہیں۔ جیسے کہ بعض درختوں کے پتے سبز شعاعوں کو منعکس اور باقی کو جذب کر لینے سے سبز دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح جس رنگ کا کوئی جسم بولا جاتا ہے۔ وہ اُسی رنگ کی شعاع کو منعکس اور باقیوں کو جذب کرنیوالا ہوتا ہے۔ وہ اجسام جو تمام رنگوں کی شعاعوں کو منعکس کرتے اور سب رنگوں کو شامل کر کے ایک صاف رنگ پیدا کرتے ہیں سفید ہیں۔ اور جو تمام رنگوں کی شعاعوں کو جذب کرتے اور سب رنگوں کو دور کر کے ایک سیاہ رنگ ظاہر کرتے ہیں سیاہ ہیں۔ اور اور رنگوں میں سے جسقدر کوئی رنگ

سفید یا سیاہ رنگ سے زیادہ مناسبت اور مشابہت رکھتا ہے۔ اسی قدر اس میں شعاعوں کے منعکس یا منجذب کرنے کی زیادہ قوت ہے۔ چنانچہ سیوتی کا پھول شعاعوں کو زیادہ تر منعکس کرتا ہے۔ اور بنفشے کا پھول زیادہ تر منجذب +

الغرض

(۱) جب لوہار کسی لوہے کے ٹکڑے پر ہتھوڑا مارتا ہے۔ تو وہ قوت جس سے ہتھوڑا اس لوہے پر لگتا ہے حرارت کے اظہار کا باعث ہو جاتی ہے۔ ہتھوڑے کی چوٹوں سے لوہے کا ٹکڑا گرم ہو جاتا ہے اور اُس کے تمام ذروں میں گردش ہونے لگتی ہے۔ مگر یہ لرزش اس تھرتھراہٹ کی طرح نہیں ہوتی۔ جو نقّارے پر چوٹ لگانے سے پیدا ہوتی ہے۔ لوہے میں حرارت پیدا ہونے کی یہ دلیل ہے۔ کہ اگر لوہے پر برابر چوٹیں لگائی جائیں۔ تو آخر کار لوہا پگھلنے لگے گا۔ اس سے ثابت ہے کہ صدمہ سے آواز اور حرارت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ جس چیز پر صدمہ پہنچتا ہے۔ اُسکے اجزا حرکت کرنے لگتے ہیں +

(۲) رگڑ سے بھی حرارت پیدا ہوتی ہے۔ جو کہ وہ قوت ہے۔ کہ جس سے بٹن کو لکڑی کے ٹکڑے سے رگڑا جائے +

(۳) جب ریل کی رفتار کم ہونے لگتی ہے۔ تو انجن کے بریک وہیل سے چنگاریاں نکلا کرتی ہیں۔ ایسی صورت میں مرئی قوت جسے آنکھیں دیکھ سکتی ہیں۔ پیدائش حرارت کا باعث ہو جاتی ہے۔ اس میں فرق یہ ہوتا ہے۔ کہ مرئی قوت میں سارا جسم متحرک ہوتا ہے۔ اور اس کے سارے اجزاء ایک وقت میں ایک ہی طرف حرکت کرتے ہیں لیکن برعکس اس کے حرارت میں جسم کے اجزاء جلد جلد آگے پیچھے حرکت کرتے ہیں۔ مگر جسم بحیثیت کلی اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے۔ ساتھ

ہی یہ بھی عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ کہ دُخانی کلوں میں سارا کام آگ ہی سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے پانی کھولکر بخارات بنتا ہے۔ ان کی کسی قدر حرارتی قوت جو غیر مرئی ہوتی ہے باعث ظہور مرئی قوت ہو جاتی ہے۔ اس سے دخانی کل کاموس تلے اوپر حرکت کرتا ہے۔ اور قلابی ویل چکر کھاتا ہے۔ پس ثابت ہے کہ مرئی قوت حرارت سے اور حرارت مرئی قوت سے ظاہر ہوتی ہے ✦

(۴) جن اجسام میں حرارت مخفی ہوتی ہے۔ ان میں خارجی حرارت جلد سرایت کرجاتی ہے۔ جن میں کچھ مخفی اور کچھ پھیلی ہوئی حالت میں ہوتی ہے۔ ان میں کم جلد۔ اور جن میں بالکل منتشر حالت میں ہوتی ہے ان میں سرایت نہیں کرتی ✦

متذکرہ بالا باتوں سے بعض لوگ یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ حرکت ہی حرارت وروشنی ہے مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ یہ جملہ امور محض یہ بتاتے ہیں۔ کہ قوت سے وجودوں میں حرکت ہوکر آواز وحرارت اور روشنی ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن جسطرح کہ آواز بجائے خود حرکت نہیں ایسے ہی حرارت اور روشنی بھی بذات خود حرکت نہیں۔ کیونکہ نمائش حرکت نہ موصوف ہے نہ صفت بلکہ فعل محض ہے ✦

وید نے بھی اگنی کو جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے موصوف بتاکر حرارت وروشنی وغیرہ صفات بتائے ہیں۔ چنانچہ اور بھی ملاحظہ فرمائیے ✦

رگ۔ سوکت ۱۳۔ منتر ۲ ✦

ہوتش	ایبھ	کریتم	اریمن
ہوم کرنے کے لایق	پدارتھوں سے	کیا جائے	ایسے

یگیے	نراشنسم
ایسے یگیہ (کاموں) میں	جانداروں کے لئے سکھ پہنچانیوالے

مدھو جھوم	پریم
اچھے رسوں کے پیدا کرنیوالے یا مفید مطلب شعلوں والے اگنی کو	محبت اور پیار کرنے والے

اُپ دسے ۔

روشن سروں ۔ یعنی اگنی جانداروں کو سکھ پہنچانے محبت اور پیار کرانے اور مفید کام دینے والا ہے۔ جیسے کام میں اسے لانا ہو ویسے ہی سامانوں سے اسے روشن کرنا چاہئے ۔

اس منتر میں لفظ جھوا آیا ہے۔ جسکی خاصیتیں اور صفتیں منڈک اپنشد منڈک ۱ کھنڈ ۲ منتر ۴ میں حسب ذیل بتائی گئی ہیں ۔

کرالی	کامی
ناقابل برداشت، از مشکل سے برداشت ہونیوالی	سفید وغیرہ رنگوں کے ظاہر کرنیوالی
چہ سُلوہتا	چہ منوجوا
اور صاف سرخ رنگ والی	اور من کی طرح تیز رفتار
سپھلنگنی	چہ سُودھومرورنا
چنگاریوں والی	اور دھوئیں کے نشان والی

لے لائیمانا	چہ دیوی	وشوروچی
سب تک روشنی	اور روشنی والی	تمام شکلوں والی

کے ذریعے پہنچنے والی ۔ یہ سات صفتیں جھوائی کہلاتی ہیں۔ اگنی کے شعلے یا روشنی کا اگرچہ لال رنگ خاصکر یہاں بتایا گیا ہے مگر اسے مختلف رنگوں والی بھی بتایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی چیز میں اگنی داخل ہوتی ہے۔ تو اول کسی نہ کسی قدر لطیف یا کثیف دھواں نمودار ہوتا ہے۔ پھر وہ چیز سرخ ہو جاتی ہے اور یہی سرخ رنگ خصوصیت کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ چنگاریوں کا اٹھنا اور روشنی کے ذریعے اگنی کا ایک وجود سے دوسرے

وجود تک پہنچا بدیہی ہے +

سورج اور روشنی

مگر یہ روشنی خود کیا ہے۔ اس کی بابت وید مقدس نے خود سوکت بمبرہ میں بتایا ہے۔ اس میں اگنی کی جو قسم آفتاب میں ہے۔ اس کی سات قسم کی کرنیں بیان کی گئی ہیں +

منتر ۸:- دیو — بذات خود روشن
دِچکشن — سب کو روشنی کے ذریعے پرکاش کرنیوالے
سوریہ — سورج
توُ — تیزی
سپت — سات
ہری تو — رسوں وغیرہ کو لیجانے والی
شوچش کیشم — روشنی کی کرنیں
رتھے — سورج منڈل (نظام شمسی) میں
وہنتی — پہنچتی ہیں

منتر ۹:- سپت — سات
شدھیو — پاک وصاف کرنیوالی کرنوں سے
آیکت — متحد
سورے — سورج
پتاسیہ نپتہ — نظام شمسی کو ناش نہ ہونے دیتے ہوئے یا گرنے نہ دیتے ہوئے
تابھی — نظام شمسی میں موجود
سویکتی بھی — اپنے طاقت اور اپنے ہی محور پر
یاتی — پرایت رہتا ہے یا گھومتا ہے +

یعنی سورج بذات خود روشن ہے۔ اس کی روشنی سے ہی دیکھنے دکھانے کا کام چلتا ہے۔ اس کی روشنی کی کرنیں جو تعداد میں سات ہیں، تمام نظام شمسی میں پہنچتی ہیں۔ اور پانی (رسوں) کو اڑاتی ہیں۔ یہ تمام چیزوں کو پاک وصاف کرنے والی ہیں +

سورج کی روشنی ان ہی سات کرنوں سے متحد ہے۔ یعنی ان ہی سات کرنوں پر مشتمل ہے۔ ان ہی کرنوں کے ذریعہ سورج تمام نظام شمسی کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اور گرنے نہیں دیتا۔ اور اپنے طریقہ اور محور پر گھومتا ہے۔ اور تمام نظام شمسی کے وسط میں قائم ہے۔ اس کی روشنی سفید ہے۔ اس کی بابت وراہ مہر آچاریہ نے اپنی سنگھتا میں لکھا ہے کہ :-

"سورج اور چاند کی کرنیں مندار ہوا کے ذریعہ سے پھٹ کر اور ایک گول شکل اختیار کر کے آسمان کے اندر مختلف رنگوں میں نمودار ہوتی ہیں"۔

"جبکہ مندار ہوا سورج کی مختلف رنگوں کی کرنوں کو پھاڑ دیتی ہے۔ تو وہ ابر دار آسمان میں ایک دھنش کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔ جسے اندر دھنش (سورج کی کمان یا قوس و قزح) کہتے ہیں"

پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مندرجہ بالا حوالہ جات روشنی یا سورج کی کرنوں کی بابت حسب ذیل باتیں بتاتے ہیں +

(۱) سورج کی کرنیں سات رنگ کی ہیں۔ جن کی تفصیل درج ہو چکی ہے (۲) یہ کرنیں ملکر سورج کی روشنی پیدا کرتی ہیں (۳) یہ کہ یہ کرنیں ہوا میں موجود آبی بخارات کے ذریعہ پھٹکر علیحدہ علیحدہ معلوم ہوتی ہیں (۴) یہ کہ یہ کرنیں اس طرح پھٹ کر قوس قزح کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں (۵) یہ کہ سورج کی کرنیں لیجانے والی ہیں۔ یعنی کرنوں کی حرارت سے چیزیں ٹھوس سے مائعہ مائعہ سے گاس یا بخارات۔ اور گاس سے لطیف گاس بنجاتے ہیں اور اسی طرح ان کو ہلکا کر کے کرنیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجاتی ہیں۔ ان ہی سے سمندر اور جھیلوں کا پانی بخارات کی شکل میں

کرہ ہوائی کے طبقۂ بالا میں پہنچکر پھر بارش کی شکل میں آتا ہے (۶)
یہ کہ سورج کی کرنیں پاک وصاف کرنیوالی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ زہر
جو انسانوں اور حیوانوں کے اجسام میں زہر کی موجودگی کی وجہ سے
بے اختیار ہوکر داخل ہوتا رہتا ہے۔ اور وہاں سے گندہ ہوکر ایان
کی شکل میں باہر آتا ہے۔ زندگی کو ناقابل برداشت کر دیتا۔ اگر سورج
کی کرنوں کی بدولت نباتات زندگی پاکر اس میں سے اُس زہر کو
جسے انگریزی میں کاربانک ایسڈ گاس کہا جاتا ہے۔ علیحدہ کر کے
اس کو پاک وصاف نہ کرتیں۔ علاوہ ازیں سورج کی کرنیں زمین
پر پڑکر اُس کی سطح کو گرم کر دیتی ہیں۔ جب کرۂ ہوائی کے طبقہ زیرین
کی ہوا اس سطح کو چھوتی ہے۔ تو گرم ہو جاتی ہے۔ اور جب گرم
ہوتی ہے تو لطیف اور ہلکی ہوکر اوپر چڑھتی ہے۔ اور ارد گرد کی
سرد ہوا اُس کی جگہ بھر جاتی ہے۔ اس طرح ایک تیز حرارت کی گردش
جاری ہوتی ہے۔ جس سے کہ رَوئیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہی ہوا کے
رواں دواں ہوکر جلد جلد چلنے۔ یعنی آندھی کا سبب ہے۔ اور
آندھیوں ہی کی بدولت جنگلوں کی صاف شُدہ متذکرہ بالا آکسیجن ہوا
اوزن) قصبوں اور شہروں کی خراب شُدہ ہوا کی جگہ آموجود ہوتی ہے
چونکہ یہ سب کچھ سورج کی کرنوں کی ہی بدولت ہوتا ہے۔ اس لئے
سورج کی کرنوں کو وید میں پاک وصاف کرنیوالی کہا گیا ہے جو لوگ
ہرت کے معنی گھوڑے اور شُندھیوہ کے معنی گھوڑوں
کی پاک وصاف کرنیوالی عورتیں کرتے ہیں وہ سخت مغالطے میں
ہیں۔ کیونکہ گھوڑوں کی عورتیں یعنی گھوڑیاں پاک وصاف کرنے والی
کیسے ہو سکتی ہیں۔ یہ مغالطہ اس وجہ سے ہوا کہ اس منتر میں ایک تو
لفظ رتھ آیا ہے۔ دوسرے لفظ شُندھیوہ صیغہ مونث میں ہے +

کاشکہ یہ لوگ نروکت کے مصنف مہرشی یاسک کی تحریر دیکھ لیتے۔ اس
میں صاف طور پر بتایا ہے کہ شند ھیوہ سورج کی پاک و صاف کرنیوالی
کرنوں کو کہتے ہیں۔ اور لفظ رتھ کے معنی خوبصورت نظام شمسی ہے
جس کو سورج ہی گردش کراتا ہے۔ یعنی نظام شمسی میں جتنے کرّے
ہیں وہ سب سورج کی کشش سے ہی اُس کے گرد گھومتے ہیں۔
یہ لفظ رتھ مصدر "رم" (خوش کرنا) اور "رنہم" (حرکت کرنا) سے
مشتق ہے۔ جس کے لفظی معنے خوبصورت حرکت کرنیوالے ہیں۔
ان معنوں (نظام شمسی) کی تائید لفظ ببتہ سے ہوتی ہے جو مصدر
بت بمعنے گرنا سے مشتق ہے۔ اس کے لغوی معنی گرنے سے روکنے
والا ہیں۔ جو وجودوں کی سینٹری فیوگل فورس (حرکت دافع المرکز)
اور سینٹری پٹل فورس (حرکت مائل المرکز) سے واقف ہیں خوب
جانتے ہیں کہ ان ہی دونوں حرکتوں کی مساوات سے کوئی وجود گرنے
نہیں پاتا۔ مگر ان دونوں حرکتوں کا عمل نظام شمسی میں سورج کی
کشش پر ہی منحصر ہے +

(۷) یہ کہ سورج تمام نظام شمسی سمیت اپنے مقررہ طریقت (رستہ)
اور محور پر گھومتا ہے۔ یہ امر الفاظ "تا بھریاتی سو یکتی بھی" سے ظاہر
ہے کیونکہ "تا" کی ضمیر رتھ (نظام شمسی) کی طرف ہے۔ "سو یکتی بھی" کے معنی
اپنے طریقت اور محور کے ہیں۔ اور "آیاتی" کے معنے چاروں طرف پرلیٹ
ہونا یا گھومنے کے ہیں +

بجلی اگنی کا تیسرا ظہور بجلی ہے۔ اور اس کی نہایت لطیف
اور مکمل شکل بیان کی جا چکی ہے۔ اس کے موٹے
موٹے خواص حسب ذیل ہیں۔ رگ وید منڈل ۱
سوکت ۱۱۸ منتر ۹ +

یُوم	اِندر جُوتم	یے ددے
تم دونوں خاوند بیوی	سورج سے آئی ہوئی	جانے آنے کے لئے

شُوبتم	اشوم	اریہ
سفید رنگ والی	جملہ اجسام میں موجود	ایک دوسرے کی عاشق

ابھی بھوتم	اگرم	سہاسرام یہ
دشمنوں کو زک دینے والی	ناقابل برداشت	ہزاروں طرح سے کام میں آنیوالی

ورشنتم	وِیڑو ِ انگم
بارش کی طرح بوچھاڑ کرنے والی	مضبوط اجزاء والی

اہی ہنم	آشوِنا
بادلوں کے توڑنے والی	ستری پرش روپ بجلی کی طرح

آوتم
ایکدوسرے کو سکھ پہنچا کر

رگ وید منڈل ۱ سوکت ۱۱۶ منتر ۱

یُوم	یے ددے
تم دونوں (جنگی و ملکی افسران)	کاموں میں کامیابی حاصل کرنیکیلئے

پُرو وارم	سپر دہام
بہت کاموں میں آنے والی	جنگی کاموں کے لئے مفید

شوے نم	ترُو تارام
خالص دھاتوں سے بنی ہوئی	یکبارگی گذارنے والی مشین کے ذریعہ

آشونا	شربہی
ستری پرش روپ	مشین سے حرکت میں آنیوالی

پرت ناسو	دشٹرم	اِندرام اِو	ابھی دیُوتم
جنگ میں	دشوارگذار	سورج جیسے	چمک والی بجلی کو

چترگو تیم	چتر شبلی شیم	وسیتہ
تیز حرکت کے لئے	جنگی مشکلات کی برداشت کیلئے	کام میں لاؤ

اسی طرح کئی سوکتوں میں بجلی کے خواص اور اُسے کام میں لانے
کے قواعد و ترکیبیں بکثرت درج ہیں۔ مندرجہ بالا منتر محض نمونہ کے طور
پر دیئے گئے ہیں۔ ان ہر دو میں لفظ اشونا صیغہ تثنیہ میں اندر
بجلی کی تقسیم ظاہر کرنے کے لئے آیا ہے۔ اس کے معنی مہرشی دیانند
نے استری و پرش کے کئے ہیں پس بلحاظ مضمون و دیگر صفات
و خواص کے جو ان منتروں میں آئے ہیں۔ اس کا مفہوم بلاشبہ استری
پرش روپ بجلیوں کے ہیں۔ چنانچہ پہلے منتر میں خاوند بیوی کو استری
پرش روپ بجلی کی طرح ایک دوسرے کو سکھ پہنچانے ایک دوسرے
کا عاشق رہنے کی ہدایت ہے۔ جدید سائنس نے بھی بجلی کی
دو تقسیمیں منفی و مثبت قرار دی ہیں۔ اور ان میں اس درجہ عشق
بتایا ہے۔ کہ جب تک خاص طور پر ان کو جدا نہ کیا جائے یہ ہرگز
جدا نہیں رہ سکتیں۔ بادلوں کی مثال بھی صدق خیز ہے۔ اس سے
کم از کم دو باتیں یہاں مقصود ہیں۔ (۱) ایک بادلوں میں بجلی کا مد
ایک دوسرے کے عین مقابل آنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس برقی
رد کے ظہور کا نتیجہ نور کی بارش اور بارش سے نباتات وغیرہ
کی پیدائش ہے۔ اسی طرح خاوند بیوی کے بالمقابل بھی رد و بدل
ہو کر وصل کا نتیجہ وہ آب منی ہے۔ جس سے اولاد پیدا ہوتی ہے
دوم بادلوں میں اس رد کے ظہور سے بارش کی بوچھاڑ تیروں کی
طرح بہت تیز ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بجلی سے ہوا پھٹ کر پانی کی کفیل
نہیں رہتی۔ اسی طرح بجلی سے اس تیر کے سدھے پہنچائے
جا سکتے ہیں۔ کہ دشمنوں کو فی الفور ترکھ پہ چاہئے۔ چوتھا منتر تیسرا

یہ بتایا ہے کہ اس بجلی (استری پُرش روپ) کو کس طرح اور کس کام
میں لانا چاہئے۔ اس میں اول یہ ہدایت ہے کہ فوجی اور سول ہر دو
طرح کے کاموں میں اسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ مشکل ترین
کاموں کی کامیابی کا یہ نہایت ہی اعلیٰ ذریعہ ہے۔ اس کے لئے
خاص دھاتوں کی ایسی مشین بنانی چاہئے کہ جس کے ذریعہ یہ یکبارگی
گذر سکے۔ سول کام میں یہ مشین ایسی ہونی چاہئیں۔ جن سے حرکتوں
کا گذر ہو۔ اور جو بجلی کو بار بار حرکت دے سکے۔ کیونکہ بجلی بار بار
حرکت میں آسکتی ہے۔ فوجی کام میں یہ مشینیں ایسی ہونی چاہئیں
جن سے کہ اس کی سفید روشنی دشمن کے لئے دشوار گذار ہو جائے
اور صدمہ پہنچا سکے۔ یہ بجلی تیز حرکت پیدا ہو جانے پر ہوگا۔ گویا پہلے
منتر میں فوجی کاموں میں اس کو بطور ہتھیار کام میں لانے کی ہدایت
تھی۔ اس میں خبر رسانی کے لئے۔ اور دشمن کو برباد کرنے اور دور
رو کدینے کے لئے ہدایت ہے ۔

یہ اور باقی دیگر صفات اور خاصیتیں جو پہلے منتر میں بیان کیگئی
ہیں۔ یعنی جملہ اجسام میں اس کی موجودگی۔ تیز روشنی یا چمک اس
کی دو قسمیں وغیرہ اس طرح سے ثابت ہو سکتی ہیں۔ کہ شیشے کی ایک
گرم ڈنڈی جس میں دھات کا دستہ لگا ہو۔ ایک گرم شدہ ریشمی کپڑے
سے بشرطیکہ دونوں خشک ہوں۔ رگڑا جائے۔ تو شیشے میں یہ خاصیت
پیدا ہو جائے گی۔ کہ ہلکی ہلکی چیزیں مثل کاغذ کے چھوٹے چھوٹے
ٹکڑے۔ سرکنڈے کے گودے پر۔ اور اون وغیرہ کو اپنی طرف کھینچنے
لگیگا۔ مگر یہ خاصیت شیشے میں صرف اسی جگہ ہوگی جہاں سے
اسے رگڑا ہے تمام سطح میں نہیں۔ اس خاصیت کو برقی خاصیت
کہتے ہیں۔ اسی طرح دھات کے دستے کو آلۂ برقی جس کی شکل

پانی کے بیان میں دیکھا چکی ہے اگر چلتا کر کے اُس کے جامع البرق سے دستے کو لگایا جائے۔ تو اُس میں بھی شیشے کی ڈنڈی کی طرح یہی خاصیت پیدا ہو جائے گی۔ یعنی وہ بھی سرکنڈے کے گودے اور کاغذ کے ٹکڑوں کو اپنی طرف کھینچنے لگیگا۔ شیشے میں تو یہاں سے رگڑا تھا وہیں یہ خاصیت تھی۔ لیکن دھات کے دستے میں یہ خاصیت صرف ایک جگہ نہیں بلکہ ہر مقام میں ہوگی۔ غرض قوت برقی دھات کی سطح پر تو پھیل جاتی ہے۔ مگر شیشے کی سطح پر نہیں۔ اسی وجہ سے دھات کو موصل اور شیشے کو غیر موصل کہتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح قوت برقی شیشے کی تمام سطح میں آسانی سے نہیں پھیلتی۔ اُسی طرح اس میں حرارت بھی بآسانی نہیں دوڑتی لیکن دھات میں یہ دونوں بآسانی پھیل جاتی ہیں۔ کوئلہ۔ تیزاب پانی۔ جانوروں کے جسموں اور پانی میں گھل جانے والے نمکوں میں بھی قوت برقی بآسانی پھیل جاتی ہے۔ اور اس لیئے یہ اجسام بھی موصل ہوتے ہیں۔ اگرچہ دھات کی برابر نہیں۔ لیکن۔ ربڑ خشک ہوا۔ ریشم۔ شیشہ۔ موم۔ گندھک۔ کہربا۔ لاکھ وغیرہ یہ سب ناقص موصل ہیں۔ کیونکہ ان میں قوت برقی پھیل نہیں سکتی +

سرکنڈے کے گودے کی ایک چھوٹی سی گولی ریشم کے تاگے سے ایک شیشے کے استوانے میں لٹکائی جائے اور ایک شیشے کی ڈنڈی لیکر اُس کا سرا ریشم کے کپڑے سے رگڑ کر اُس کے رگڑے ہوئے سرے سے گودے کی گولی سے چھوا جائے۔ تو اس سے شیشے کی قوت برقی گولی میں داخل ہو جائے گی۔ اور نکل نہ سکے گی کیونکہ ریشم کا تاگا۔ شیشے کا اُسطوانہ اور آس پاس کی ہوا اگر خشک ہو بسبب کے سب غیر موصل ہیں +

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جب شیشے کی ڈنڈی گولی کو ایک
بار مس کر چکی ہے تو اب گولی کی طرف کھنچ کر نہ آئے گی۔ لیکن ایک
لاکھ کی ڈنڈی کسی گرم اور خشک فلالین کے ٹکڑے سے رگڑ کر
اس رگڑے ہوئے مقام کو گودے کی گولی کے پاس لایا جائے
تو وہی گولی جو رگڑے ہوئے شیشے سے دور بھاگتی تھی۔ لاکھ کی
ڈنڈی کے رگڑے ہوئے سرے کی طرف کھنچ آئے گی۔ اس سے
معلوم ہوا کہ اگر گودے کی گولی کو رگڑے ہوئے شیشے سے ایک
دفعہ چھو لیا جائے۔ تو وہ اس سے بھاگنے لگے گی۔ لیکن رگڑی
ہوئی لاکھ کی طرف کھنچ آئے گی۔ اس کے برعکس اگر شیشے کی
بجائے لاکھ کی ڈنڈی کو فلالین سے رگڑ کر گولی کو پہلے اس سے
چھوتے تو پھر رگڑی ہوئی لاکھ سے ہی گولی بھاگنے لگتی۔ اور پھر
رگڑے ہوئے شیشے کی طرف کھنچ آتی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ قوت
برقی دو قسم کی ہے۔ یعنی ایک تو وہ جو رگڑے ہوئے شیشے کی طرف
کھنچ آتی ہے۔ اور دوسری وہ جو رگڑی ہوئی لاکھ سے پیدا ہوئی۔
علت یہ ہے کہ جب گودے کی گولی کو رگڑے ہوئے شیشے کی
گولی سے چھوا گیا۔ تو شیشے کی قوت برقی میں سے کچھ حصہ گولی
میں داخل ہو گیا۔ اور چونکہ اس کے بعد گولی رگڑے ہوئے شیشے
سے بھاگنے لگی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جن جسموں میں ایک ہی
قسم کی برقی قوت بھری ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے سے ہٹنے
اور بھاگنے لگتی ہیں۔ برخلاف اس کے اگر گودے کی گولی میں رگڑے
ہوئے شیشے کی قوت برقی بھری ہو تو وہ رگڑی ہوئی لاکھ کی
جانب کھنچ آئے گی۔ اور اگر لاکھ کی قوت برقی داخل ہو تو رگڑے
ہوئے شیشے کی طرف کھنچ آئے گی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

جن جسموں میں مختلف قسم کی قوت برقی ہوتی ہے وہ ایک دوسرے کو کھینچا کرتے ہیں۔

ان دو مخالف قوتوں کو تمیز کیلئے منفی اور مثبت کا نام دیا گیا ہے۔ ان کا دوسرا نام موجبہ اور سالبہ بھی ہے۔ جب کسی جسم میں یہ دونوں قوتیں ملی جلی ہوتی ہیں۔ تو جسم اپنی اصلی حالت یا حالت معدلت میں کہلاتا ہے۔ مگر جب رگڑ وغیرہ سے ان دونوں کو جدا کر دیا جاتا ہے تو ان کی مقدار ایک دوسرے کے مقابلہ میں کم و بیش ہوتی ہے۔ اور اس کمی بیشی کے اعتبار سے ان کو سالبہ اور موجبہ کہتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کونسی موجبہ اور کونسی سالبہ ہے یہ اس طرح معلوم ہوگا کہ اوپر جو تجربہ بیان کیا گیا ہے۔ اس میں جب شیشے کی ڈنڈی ریشم کے کپڑے پر رگڑتے ہیں۔ تو اس عمل سے شیشے میں جو قوت برقی آجاتی ہے اُسے مثبت یا زجاجی یا موجبہ کہتے ہیں۔ اور وہ علامت مثبت سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اور جو قوت برقی ریشم میں چلی جاتی ہے اُسے منفی کہتے ہیں۔ لیکن جب لاکھ کی ڈنڈی کو فلالین پر رگڑتے ہیں۔ تو لاکھ میں جو قوت برقی پیدا ہوتی ہے۔ اُسے منفی یا سالبہ بولتے ہیں۔ اور فلالین کی قوت برقی مثبت کہلاتی ہے۔ ان دونوں قوتوں کو پیرا اسنے حکیم نر اور نادین کہتے تھے۔

موصل اور غیر موصل ہونے کا سبب

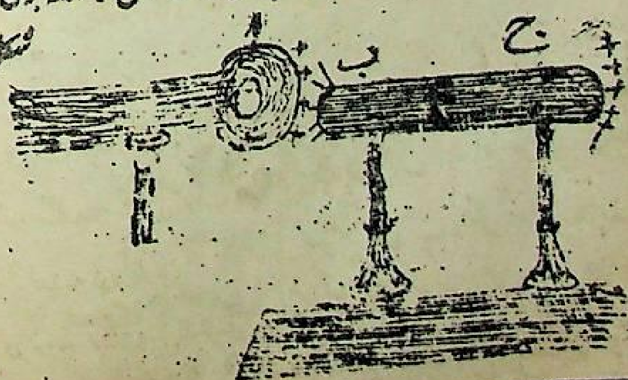
اگرچہ یہ بات ابھی قطعی نہیں ہے کہ کیوں بعض اجسام موصل اور بعض غیر موصل ہیں۔ مگر اتنا دریافت ہو گیا ہے کہ ان میں حرارت کا اثر مختلف ہے۔ شاید یہ اختلاف اجسام اسی وجہ سے ہو۔ شیشہ

اور ہوا گرمی کے اثر سے۔ بشرطیکہ ان کو خوب گرم کیا جائے۔ رہبر
ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے برخلاف برف کو ۱۲ درجہ تک سرد کریں
تو وہ غیر رہبر بن جاتی ہے۔ بنا براں قیاس کیا جاتا ہے کہ دہات
میں معینہ حرارت کے سبب بجلی کے رہبر ہونے کا خاصہ ہوتا ہے
اور پانی میں اس سے زیادہ اور شیشے میں اس سے بھی زیادہ
گرمی ہونے سے یہ خاصہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اسی سے یہ گمان
کیا جاتا ہے کہ ہر چیز میں حرارت کا کوئی خاص ایسا درجہ ہے۔ کہ اس
کی زیادتی سے وہ رہبر اور کمی سے غیر رہبر ہو جاتی ہے۔ اگر یہ گمان
صحیح ہے۔ تو رہبر وہ اجسام ہیں کہ جن کی حالت غیر رہبر ہو سکنے کی حرارت
اس درجہ پر منحصر ہے جو معمولی ہوائے محیط زمین سے کہیں بالاتر ہے۔
اور غیر رہبر وہ ہیں کہ جن کی حالت رہبر ہونے کی حرارت کے اس
درجے پر موقوف ہے جو اوسط درجہ حرارت معمولی ہوائے محیط زمین
سے کہیں پست ہے +

برقی تفرارہ

قوت برقی کی ان دونوں قسموں کے جو مثبتہ اور منفی
کہلاتی ہیں جدا جدا ہونیکا ثبوت دیا جا چکا ہے
اب ایک ایسا تجربہ دیا جاتا ہے کہ قوت برقی کو کس طرح ان قسموں میں
پھاڑ سکتے ہیں۔ اس پھاڑنے یا جدا جدا کرنے کے فعل کو امالۂ برقی کہتے ہیں

شکل نمبر ۳



اس شکل میں پیتل کا بڑا مجوف گولہ ا ہے۔ اور اس کے بائیں
طرف جو نل لگا ہوا ہے وہ پیتل کا ہی ہے۔ اور یہ دونوں ایک
شیشے کے پائے پر قائم ہیں۔ تاکہ الف میں جو برقی قوت ہو وہ
اس میں سے نکل نہ سکے۔ دائیں طرف ب اور ج دو اور پیتل
کے نل ہیں۔ اور اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ صرف بیچ میں سے
جہاں ایک خط پڑا معلوم ہوتا ہے جدا ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں بھی
شیشے کے پایوں پر کھڑے ہیں۔ تاکہ ان کی برقی قوت انہی میں رہے
فرض کرو کہ الف میں مثبت قوت داخل کی گئی ہے۔ مگر ب اور
ج میں کسی قسم کی برقی قوت نہیں بھری گئی۔ اب ذرا ب اور ج
کو ا کی طرف سرکا دو۔ چونکہ ان میں کسی قسم کی برقی قوت داخل نہیں
اس لئے ان کی متضاد برقی قوتیں جدا جدا نہیں ہوئیں۔ بلکہ ملی جلی
موجود ہیں۔ لیکن اب ان کو جو ا کی طرف سرکا دیا۔ تو الف کی مثبت
برقی قوت ب کی منفی قوت اپنی طرف کھینچ لائیگی مگر اسکی مثبت برقی قوت کو ج کے داہنی طرف
ہٹا دیگی۔ اور ج کو اگر ب سے الگ کرو اور پھر ب کو ا سے تو ب
میں کسی قدر منفی قوت موجود ہوگی اور ج میں مثبت مگر الف کی
قوت جوں کی توں بنی رہے گی۔

اب اگر متذکرہ بالا شکل میں ب اور ج کو آہستہ آہستہ ا کی طرف
لائیں۔ اور جب الف اور ب بہت پاس پاس آ جائیں تو ب جس میں
منفی برقی قوت ظاہر کی گئی ہے اس کے اور الف کی مثبت برقی
قوت کے درمیان صرف تھوڑی سی ہوا کا پردہ رہ جائیگا۔ اور آخرکار
دونوں برقی قوتوں میں اسقدر کشش پیدا ہوگی اور فاصلہ اتنا کم ہو جائیگا
کہ دونوں قوتیں دوڑ کر مل جائینگی اور ایک شرارہ نکلتا ہوا دکھائی
دے گا۔ اس شرارہ کو شرارہ برقی کہتے ہیں۔ اس عمل سے لوگ

مثبت برقی قوت کم ہو ب کی منفی برقی قوت بالکل زائل ہو جائیگی
اب اگر ب اور ج کو پرے ہٹا لیں گے۔ تو ج میں مثبت برقی
قوت پھر بھی رہے گی۔ کیونکہ وہ اب تک کہیں چلی نہیں گئی۔ بلکہ
اسی ب سے جسقدر مثبت برقی قوت جاتی رہی ہے۔ اسی قدر
ج میں آگئی ہے۔ گویا کہ ا کی برقی قوت کا ایک حصہ ج میں جا ملا

برق نما اوراق طلائی

برقی شرارہ کو بخوبی سمجھنے کے لئے مناسب ہے ایک ایسا آلہ کام میں لایا جاوے۔ جسکی شکل حسب ذیل ہو۔

شکل نمبر ۴۹



اس کے ذریعہ سے برقی قوت کا ہونا ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کو برق نما اوراق طلائی کہتے ہیں۔ اس کا عمل اس طرح دیکھا جاتا ہے کہ جو لٹو اس کے اوپر ہے۔ اول اس میں تھوڑی سی برقی مثبت قوت داخل کرو۔ یہ برقی قوت دوڑ کر سونے کے ورقوں میں داخل ہو جاوے گی۔ کیونکہ ان میں اور لٹو میں آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے۔ اور چونکہ دونوں ورقوں میں ایک ہی قسم کی برقی قوت داخل ہو گی۔ اس لئے وہ ایک دوسرے سے پرے ہٹیں گے
اب اگر اس لٹو کے پاس شیشے کی رگڑی ہوئی ڈنڈی لائی جائے تو سونے کے ورق ایک دوسرے سے بھی پرے ہٹ جائینگے
اس کی وجہ یہ ہے کہ رگڑے ہوئے شیشے کی مثبت برقی قوت لٹو کی مخلوط برقی قوت کے دونوں جزو الگ الگ کر کے منفی قوت کو تو اپنی طرف کھینچ لے گی۔ اور مثبت کو سونے کے ورقوں کی طرف ہٹا دے گی۔ کیونکہ ان میں پہلے سے مثبت برقی قوت موجود ہے

آخری التماس

ہمارے اکثر معزز نامہ نگار صاحبان دو دو سال تک مضمون بھیجنے کی تکلیف گوارا نہیں فرماتے حالانکہ رسالہ آریہ مسافر باقاعدہ مسلسل اُنکی خدمت میں روانہ کیا جاتا ہے۔ چند مرتبہ بذریعہ خطوط یاددہانی بھی کی گئی۔ مگر باوجود اُوار کرنے کے کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ زیادہ نہیں تو کم از کم سال میں تین چار مضمون بھیجنے واجب ہیں جبکہ وہ رسالہ کی مدد کرنا فرض سمجھتے ہوں۔ اب ہم اس آخری التماس کے ذریعہ ایک مرتبہ پھر مکلف ہیں کہ کرپا کرکے وہ ضرور اپنی علمی امداد سے رسالہ کو اپنا رہین منت فرمائیں ورنہ بمجبوری آئندہ رسالہ کا سمبندھ ان سے نہیں رہے گا۔

الملتمس

ایڈیٹر

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۶۰

ओ३म्

حسب الحکم آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب

آریہ مسافر

بیادگار دھرم ویر پنڈت لیکھرام جی آریہ مسافر

جلد ۱۳ | بابت ماہ جیٹھ سمت ۱۹۶۸ مطابق مئی ۱۹۱۱ء | نمبر ۸

فہرست مضامین

آریہ پریس جالندھر شہر میں باہتمام لالہ [illegible] ناتھ گپتہ چھپکر شائع ہوا

یادگار پنڈت لیکھرام جی آریہ مسافر

آریہ مسافر

زمزمہ توحید

تیری شمیم وحدت ہے ہر کلی میں پنہاں　　ہر گل میں دیکھتا ہوں یارب بہار تیری
گردوں پہ مہر و ماہ ہیں پرتو سے تیرے تاباں　　تاروں کی روشنی ہے آئینہ دار تیری
ہر شے میں ہے تجلی پروردگار تیری

تو شمع انجمن ہے اس محفل کہن کی　　اک بزم ناز تیری ہے تنگنائے ہستی
رونق ہے تیرے دم سے کاشانہ چمن کی　　کیا دشت و کوہ و ہاموں کہکشاں اوج پستی
قدرت ہر ایک شے سے ہے آشکار تیری

قالب میں روح کو ہے شوق وصال تیرا　　سودا ہے جبہ سائی کا تیرے در پہ سر کو
خلوت نشیں کہاں ہو یارب جمال تیرا　　دل کو ہے تمنا حسرت تری نظر کو
آنکھوں کو جستجو ہے لیل و نہار تیری

آنکھوں کو روز و شب ہے دیدہ صنم کا سودا　　اور شوق کہہ رہا ہے تو ہی صنم ہے دل میں
باغ بہشت کیسا کیسا ارم کا سودا　　بے پردہ تو ہی یارب خلوت سرائے دل میں
چھوٹی سی انجمن ہے یہ جان زار تیری

ہندسوں کی ترتیب سے پڑھیئے

اے منعم حقیقی اے بیکسوں کے والی
پتلا بنا کے مٹی کا تو نے جان ڈالی
ہر دکھ کی تو دوا ہے ہر درد کا ہے درماں
بحر کرم کا تیرے یارب نہیں ہے پایاں
بندوں پہ اپنی شفقت ہے بیشمار تیری

وہ دل ہو خوں جسمیں تیری نہ آرزو ہو
ٹوٹیں وہ پانو جنکو تیری نہ جستجو ہو
وہ آنکھ کور ہو جو تیری نہ ہو شناسا
پہلو میں دل ہے تیرا حسرت کش تمنا
قالب میں جان مضطر امیدوار تیری

ہر شاخ بارور کو تو نے زرتنی دی
پروانے کو تپش دی جگنو کو روشنی دی
سبزہ کو دلفریبی پھولوں کو نازکی و بو دی
بخشا صدف کو گوہر گوہر کو آب دی
بخشش ہے عام سب پر آمرزگار تیری

مبدا آفرینش یارب ہے ذات تیری
جادہ گہ ازل ہے یہ کائنات تیری
جلوے سے تیرے قائم ہے شان اوج و پستی
اے علت علل تو ہر چیز کی ہے ہستی
ہستی مگر ہے سب سے بیگانہ وار تیری

(سرور جہان آبادی)

ایثار نفس کی ایک نادر نظیر

ویدک دھرم کے مارگ میں ہر ایک کا چلنا کٹھن
دھرم کے جتنے تھے پر دکھے جا بجا تھوڑے
مبتلائے مرض خود غرضی تھا عالم
ودیا کا نہ تھا کہیں پتہ لقمان تک باقی
حق پرستی کا کوئی نام نہیں لیتا تھا

اس زمانہ کی زبانی سے تھی ستی ان بن
اور تھے جو چلن اس ملک میں پھیلا دئے جن
دوست ظاہر میں تھے پر دل میں تھے باہم دشمن
ہاں اودیا کے تو ہوتے تھے برابر درشن
شرک والحاد کے گا تھا اک شخص بھی

جلوہ گر تھے یہ لوگوں کے تھا چندن کا تلک
سمجھتے ہیں کسکو گروکل کوئی آگاہ نہ تھا
اسی سمے سوامی دیانند نے ظاہر ہوکر
خواب غفلت میں تھے سب لوگ جگایا اُسنے
ہند میں دیبد لکا عالم کوئی اسکے نہ تھا
لیکھ رام اور گرودت کا بھی نام نامی
جسقدر کر گئے پبلک کیلئے کام وہ لوگ
محل شکر ہے خالی نہیں جاتے استاد
منظر آج پراوپکار میں ہے منشی رام
کردیا وقف پر اُنکا میں سب تن من دہن
ایک گھر رہنے کا باقی تھا سو وہ بھی مسال
خارج از حیطہ امکاں ہے گروکل کی صفت
طرز تعلیم جو ایسی ہی رہی تو ہوگا
ہے یقین ہوگا بہت جلد وہ دن نہیں
جس نے دیکھا ہے گروکل کو وہ خود شاہد ہے
کیا کرے جب کہیں باقی نہیں رہنے کی جگہ
دہرم کی اُنتی دیکھیں تو نہ ہو پھر کیونکر

اور شوبھا کے لئے ہاتھ میں ہر دم سمرن
رہنما تھے جو بظاہر تھے بباطن رہزن
ہند میں مہر صداقت کو کیا جلوہ فگن
علم اور جہل کے معنی کئے ہم پر روشن
ذات پاک اُنکی تھی مجموعہ اخلاق حسن
آریہ ورت میں تا حشر رہیگا روشن
ہیں وہ پوشیدہ نہیں جانتے ہیں سب سجن
ایک فی الحال ہی موجود ہے یکتائے زمن
دوست تو دوست ہیں مداح ہیں جسکے دشمن
تھا جو کچھ پاس گروکل کے کیا سب ارپن
ودیا وان ہیں سنتے ہیں دیا ہوکے مگن
کہیے کس منہ سے کہ خامہ کی زباں ہے الکن
طلبا ہیں سے ہر اک عہد کا اپنے نیو طن
خطہ ہند میں وہ علم ہنر کا مخزن
سب پہ روشن ہی نہیں اس کوئی کہجائے سخن
ودیا ایسی ہے آگے گروکل کی سمرن
جب اسی طرح سے شاگرد ہر اک دل میں لگن

نظم دربارہ گروکل

کرواے دیکھو بہ طرح سے ابدا گروکل کی — کہ جس سے پختہ اور مضبوط ہو بنیاد گروکل کی
جہاں دیکھا ہے تھے ویشر اتنی بھی خبر کسکو — کہ ہوگی اس طرح سے سرزمیں آباد گروکل کی

اگر ویدوں کا ودیا سی کریں لشکان کچھ سیوا
جو ہیں شاگرد و گرکل کی بہبودی کے خواہاں ہیں
خیال آئے طبیعت میں تو آتی ہیاری گرکل کا
نظر آتا ہے ہر وقت نقشہ کامیابی کا
نہیں لیتی ہیں او سکار سی ہو تم تو نقصو ان کا
ضرر کیا آپ کا ہی ہمیں ہے نقصان دنیا کا
تیری تیغ عداوت کا ہوں بسمل چھوڑ دے اسکو
خدنگ بغض کو ہیں مرغ کی جانب نہ تو پھینکے
نہ چھپکر وار کر تو خنجر خونخوار سے ظالم
نہیں ہے عشق لیلا لگتا ہے ارے لشکر
جنوں کی اسکو بیماری نہیں تیری تو پہنا
ہمعنی نے کردیا بدنام ہے اور تم گرکل کو

کہیں اور بہ جمنی ہنجائے سب اولاد گرکل کی
ترقی چاہتے ہیں دل سے کل استاد گرکل کی
کسیکی یاد گر دل میں ہے تو یاد گرکل کی
نصیب اب دیکھنا ہمکو ہو افتاد گرکل کی
خطا آمیں بھلا کیا ہے ستم ایجاد گرکل کی
عدو کرتا ہے تو کیوں زندگی برباد گرکل کی
ارے سفاک اس تجھ سے ہے یہ فریاد گرکل کی
کہ خیریت نہیں ہے آمیں اے صیاد گرکل کی
نہ لے اب اسطرح سے جان اے جلاد گرکل کی
یہ دلمیں شیشۂ الفت ہے ہر ہی تعداد گرکل کی
جنہیں نا لیا کبھی عشق ہو جہاد گرکل کی
جو بڑھتی جا رہی ہے ہر طرف تعداد گرکل کی

فدا ہو جاؤ اسپر منشی رام صاحب کیلئے
کرو اب قدر کچھ اس فیض سے آزاد گرکل کی

دیگر

رشی نے گر نہیں ہمکو دیا پیغام گرکل کا
نہیں ہے کوئی ایسا بندۂ بیدام گرکل کا
تو سائل مجھے پھرتا در بدر ہے شکل دیوانہ
کیا تر کے وطن اور چھوڑ دی تو نے دکانیں
ترے ہی ہاتھ سے ہے اس گلشن اخلاق کی رکشا
سبھا کے عہدہ دار و اپنا جیون ارپن کر ڈالو
کہو یہ ہم کہ دولت بھی نہیں ہے صرف گرکل کی

بتاؤ کس کے کانوں نے سنا تھا نام گرکل کا
بنا دلدادہ جیسا تو ہی منشی رام گرکل کا
کیا ہے تو نے گویا نوش کوئی جام گرکل کا
رہا کرتا ہے تجھکو شوق صبح و شام گرکل کا
ابھی اے باغباں اس کا ثمر ہے خام گرکل کا
بغیر اسکے نہیں ہرگز چلیگا کام گرکل کا
ہمارے جسم میں ہے خون یہ ہی جام گرکل کا

ذرا گھبرا نہ نکلو کامیابی لابدی ہو گی
اگر دس بیس منشی رام ہوں اسکی حفاظت پر
ہمارا کیمبرج ہے آکسفورڈ ہے یہی مہترد !
تو اے پنجاب! ممکن جسطرح پر ہو جو پھیلا اسکو
ہوا ہی جسطرح آغاز اسکا شان و شوکت سے
بھلا اوج ترقی پر پہنچ سکتے ہیں وہ کیونکر
سر آغا خان جو یونیورسٹی قائم بھی اب کر لیں
ہمارے ہی تو گرکل کی سی کل نقل کر لی ہے
تسلی و تشفی فاصلو! اس سمجھاں کو وہ
دکھائیں جسکا پہلے چھا رہا ہی کی تندرستی کو
ہیں آنند سے امی دو نیو اسپیلم سمجھا رہی گن
بنے لقد تجرد سے ہو مالا مال تم کیسے
کرو لیسرائی دنفرت کی طرح مشہور بھارت کو
یہاں پر ایک نو پاٹھنجلی جگدیش اسپد اکر

نہایت بھگت ہے ہر ایک خاص و عام گرکل کا
بگاڑے پھر بھلا کیا گردش ایام گرکل کا
دل و جان سے کریں گے ہم اکرام گرکل کا
رہیگا ورنہ تیرے سر سدا الزام گرکل کا
اسی صورت سے ہو پیدا تھا! آخر نام گرکل کا
نہیں آیا ہے جنکو ہاتھ پہلے جام گرکل کا
مقابل پھر بھی کر سکتا نہیں اسلام گرکل کا
ہوا تھا سند ودوں کو اور کیا الہام گرکل کا
سنانا ہے اگر تمکو غم و آلام گرکل کا
اگر ہیں کرتے بیٹھوں حال کچھ ارقام گرکل کا
یہی ہے استراحت اور یہی آرام گرکل کا
یہ اسے تو دیا مہتی گن! الغرض ہے انعام گرکل کا
کوئی لچھمن ہو گرکل کا کوئی ہو رام گرکل کا
زمانہ میں ہو پرسدہ مکتی دہام گرکل کا

ہمارے سر پہ جب تک سایہ سرکار عالی ہے
خدا کچھ بھی تو کر سکتے نہیں حکام گرکل کا

آریہ رشی

مہاشہ دھرمپال نے اپنے رسالہ ماہ مارچ ۱۹۱۱ء میں عیسیٰ مسیح کو آریہ رشی کا خطاب دیا تھا بلکہ اسکو اپنا اِکّا اعتقاد بتلایا۔ اسپر گوالیار کے ایک آریہ مہاشہ نے بذریعہ چٹھی مستند حوالہ جات کی بنا پر اس خیال کی تردید کی۔ جس کے جواب میں دھرمپال نے نہ صرف مسیح کو بخیال خود رشی پدوی کا حقدار بنایا ہے۔ اور نہ صرف مسیح کے آچار بیوہار کے متعلق واقعات (جنکی تصدیق اناجیل سے ہوتی ہے) سے انکار کیا۔ بلکہ ناظرین کو سخت مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اور رشی دیانند و دیگر آریہ رشیوں کو ملزم گردانا ہے۔ چنانچہ اندر ماہ اپریل ۱۹۱۱ء میں حسب ذیل درفشانی فرماتے ہیں :-

(۱) پہلا سوال کیا گیا ہے کہ رشی کی تعریف کیا ہے۔ نروکت میں لکھا ہے :- "رشیو منتر درشٹا" ارتھات منتروں کے درشٹا کا نام رشی ہے۔ رشی دیانند "منتر درشٹا" کا ارتھ "منترارتھ درشٹا" کرتے ہیں ارتھات منتروں کے درشٹا سے مراد منتروں کے ارتھ درشٹا سے ہے۔ کیونکہ اگر منتر درشٹا کا ارتھ "منترارتھ درشٹا" نہ کیا جاوے۔ تو اس کا یہ نتیجہ نکلیگا۔ کہ ویدوں میں جن جن منتروں کے ساتھ جس جس رشی کا نام آتا ہے وہی رشی اسکا درشٹا یا کرتا مانا جاویگا۔ منترارتھ درشٹا سے مراد صرف لفظی ترجمہ جان لینا نہیں ہے۔ بلکہ لوگوں میں اسکی تعلیم کا پرچار کرنا ہے۔ سوامی دیانند کی یہی پوزیشن ہے۔ یجروید کے ۳۶ ویں ادھیائے کا ۱۸ واں منتر یہ الفاظ ہے۔

ورتے - ورہنا - ما - منتر سیہ ما - چکشوشا - سروانی بھوتانی سمیکشنتام ''
(۲) منتر سیہ - اہم چکشوشا سروانی بھوتانی سمیکشے '' (۳) منتر سیہ چکشوشا
سمیکشا مہے - ''

اس منتر میں تین باتوں کے لئے پرارتھنا کی گئی ہے - اول پرماتمن میری زندگی ایسی ہو کہ پرانی ماتر مجھے متر کی درشٹی سے دیکھیں - دوم میں پرانی ماتر کو متر کی درشٹی سے دیکھوں - سوم ہم سب ایک دوسرے کو اپنا متر سمجھیں -

مسیح نے اس منتر کا جو بھاشیہ کیا ہے - وہ بدیں الفاظ ہے - '' تم سن چکے ہو کہ کہا گیا ہے کہ اپنے پڑوسی سے دوستی رکھو - اور اپنے دشمن سے عداوت - مگر میں تمہیں کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے بھی پیار کرو - اور جو تم پر لعنت کریں تم اُن کے لئے برکت چاہو - جو تم سے کینہ رکھیں اُن کا بھلا کرو - اور جو تمہیں دکھ دیں اور ستاویں - اُن کے لئے دعا مانگو - تا کہ تم اپنے پتا کے جو آسمان پر ہے - سچے اُدِت پتر بنو '' (متی ادھیائے ۵ منتر ۴۳) مسیح کی مذکورہ بالا تعلیم جو کہ متی کے ۵ ادھیائے کے ۴۳ سے لیکر ۴۸ ویں منتر تک درج ہے - کیا یہ یجر وید کے مذکورہ بالا منتر کا ہی بھاشیہ نہیں ہے - میرا یہ اعتقاد ہے کہ اگر ایک مہاتما مذکورہ بالا منتر کی تعلیم سنسکرت زبان میں لوگوں کو دے - اور اس کے ارتھوں کا پرکاش کرے تو میں از روئے نروکت اسکو رشی مانوں گا - لیکن اگر ایک شخص بعینہ وہی تعلیم عبرانی زبان میں دے - تو نروکت کار کی تعریف کے مطابق میں اسکو بھی رشی ہی مانوں گا - کیونکہ '' رشیو منتر درشٹیا '' میں سنسکرت یا عبرانی - اردو - فارسی - عربی - انگریزی وغیرہ کسی بھی زبان کی قید نہیں لگائی گئی - اسی لئے میں مسیح کو رشی کہتا ہوں ''

پڑتال (۱) نروکت کے مطابق رشی کی تعریف :-

ऋषिर्दर्शनात स्तोमान ददर्श त्यौप म-

न्य वस्त द्यदेनांस्तपस्यमानान् ब्रह्म स्वय-
म्भ्वभ्यानर्षत्त दृषीणा मृषित्वमिति वि
ज्ञायते ॥

رشیر۔ درشنات ۔ستوماں۔ ددرشنی ۔یونپوس تدیہ دے۔ نالنس تپسیمانان
برہم سویمبھو۔ بھیانرشت۔ ورشی نا۔ مرشتو متی۔ وگیا یتے۔ نروکت
ادھیائے ۲ پاد ۳ کھنڈ ۲ کنڈکا ۱۱ -

(ترجمہ) رشی درشن کے باعث ہوتے ہیں (کس کا درشن) وید منتروں کے دیکھنے والوں کو رشی کہتے ہیں۔ (نروکت کار پرمان دیتا ہے)

سمادھی اوستھا میں بیٹھے ہوئے اںادی بید کا جنکو درشن ہوا۔ اس درشن کے کارن شیوں میں رشی پنا ہے۔،،

(دوسرا پرمان) رشیو منتر۔ درشٹیا منتران سمپرا دؤ۔ نروکت ۲/۱

(ترجمہ) " رشی منتروں کے دیکھنے والے اور منتروں کو اچھی طرح سمجھنے والے ہیں" رشی دیانند جی لکھتے ہیں کہ جس جس منتر کے معنی کا علم جس جس رشی کو ہوا۔ اور پہلے ہی ہوا جس سے پیشتر اس منتر کے معنی کسی نے ظاہر نہیں کئے تھے۔ نیز اس نے دوسروں کو پڑھایا بھی تھا۔ اس توضیح کے لئے آج تک اس اس منتر کے ساتھ رشی کا نام بطور یادگار لکھا چلا آتا ہے"

پس رشی ہونے کے شرائط یہ ہیں۔ (۱) یوگی ہونا (ب) بذریعہ یوگ سمادھی وید منتروں کا درشن کرنا۔

(ج) منتروں کے ارتھ اور ان کی خاص خاص باریکیوں کا جاننا۔

(د) پرچار کرنا۔

اب مہاشہ دھرم پال بتلائیں۔ کہ یہ تعریف مسیح پر صادق آسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر کن معنوں میں وہ رشی پد کا مستحق ہے۔ ہاں آپ فرماتے ہیں کہ (۱) منتر ارتھ درشٹا سے مراد صرف لفظی ترجمہ جان لینا نہیں ہے

بلکہ لوگوں میں اسکی تعلیم کا پرچار کرتا ہے۔ سوامی دیانند کی یہی پوزیشن ہے
مسیح نے یجروید ۳۶/۶ کا ترجمہ ستی ادھیائے ۹ منتر ۳۶/۶ میں کیا ہے۔"
اس سے آپ کا منشا یہ ہے کہ مسیح نے منتروں کا ترجمہ جانا اور پرچار کیا۔ اور ایسا
ہی سوامی دیانند نے کیا۔

مہاشے بمنتر ارتھ درشٹا سے قرآن یا بائیبل مراد نہیں۔ منتر شبد کے ارتھ سو
وید منتر کا مطلب ہے۔ مسیح نے منتر کے ارتھ کیسے جانے۔ اور کس طرح اس کا
بھاشیہ کیا۔ جبکہ وہ الہامی زبان سے ناواقف تھا۔ وید کی بھاشا اس کے
دیش میں رائج نہیں تھی۔ جنہوں سے وہ سے علم تھا۔ کوئی وہ نہ تھا۔ اور جو
شخص دوسرے شخص سے ارتھ سنے اور پرچار کرے وہ رشی نہیں کہلا
سکتا۔ اگر ایسا ہو تو مسیح کیا ہر ایک انسان عموماً آریہ سماج کے سبھاسد اور
اپدیشک خصوصاً رشی پدوی کے حقدار ہیں۔ درشٹا لفظ سے اُن ارتھ کرنے
والوں سے مراد ہے جو بغیر مدد کسی دوسرے شخص کے خود کریں۔ کسی اور
سے نہ سنے ہوں۔ نہ کسی دوسری جگہ دیکھے ہوں نہ کہ وہ سب جو منتروں کے
ارتھوں کو پڑھتے دیکھتے۔ وچارتے اور پرچار کرتے ہیں۔ ایسے پرشوں کو
رشی کہنا شاستر کے برخلاف ہے۔

باقی رہا رشی دیانند کا معاملہ۔ سوامی دیانند لوگی تھے۔ انہوں نے سمادھی
اوستھا میں کئی منتروں کے ارتھوں کا درشن کیا جو اُن کے سمے میں پرچلت
نہیں تھے۔ سبکو معلوم ہے کہ اُن کے زمانہ میں کوئی شخص یہ کہتا ہوا سنائی
نہ دیتا تھا کہ فلاں وید منتر کے ذریعہ مورتی پوجا مرتک شرادھ کا کھنڈن
ہوتا ہے۔ آریہ (ہندو) تو ایک طرف رہے۔ دنیا کے سب مت وادی
اسی باعث وید کا کھنڈن کرتے رہے ہے۔ سوامی جی وید بھاشیہ لکھواتے
لکھواتے جب اٹک جایا کرتے تھے۔ تو ایکانت میں جاکر اُس منتر کو بذریعہ
سمادھی دیکھتے۔ اور باہر آکر کہتے تھے کہ "دو بوجھ لیا" "بوجھ لیا"

پس ایسی حالت میں اگر وہ رشی نہیں کہلا سکتے۔ جو منتر کو وچار کر یتھارتھ گیان کا پرکاش کرے۔ تو بتلائیے اور کون ہوگا۔؟ کیا عیسے مسیح ؟ اور کیا رشی دیانند کی یہی پوزیشن ہے ؟۔

مہاشہ دھرم پال انجیل کی آیتوں کو منتر کہہ کر پکارتے ہیں۔ آج تک کسی بھی شخص نے سوائے وید منتروں کے دیگر فقرات کو منتر نہیں کہا۔ منتر شبد کے معنوں کے انوسار قرآن و انجیل کے کلام کو منتر نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ نرکت وشبد سے فائق نہیں۔

یاسک منی کا پرمان ہے (मन्त्रा मननात्) منن یا وچار سے ظاہر ہونے کے باعث وید واکیوں کو منتر کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی دو وجہ سے منتر نام پڑا اول یہ کہ ان واکیوں کی پیدائش منن سے ہوئی۔ دوسرا ان کا ارتھ منن سے ظاہر ہوتا ہے پرماتما کی منن روپی گیان کے تپ سے منتر نکلے ہیں۔ (دیکھو رگوید کا منتر مندبہ سندھیا) مضمون اول کے آخری فقرہ کا جواب یہ ہے کہ وید نام ہے شبد ارتھ سمبندھ کا۔ اگر کوئی شخص کسی نامکمل زبان میں صرف ارتھ کا پرچار کرے تو چونکہ وہ الہامی زبان سے ناواقف ہونیکی وجہ سے صرف ارتھ کا پرچار کرتا ہے۔ اسلئے نروکت کار کی تعریف کے مطابق ہرگز رشی نہیں ہو سکتا۔

(نوٹ) اس مضمون میں آئندہ مسیح کے جو کلام درج کئے ہیں۔ وہ کس وید منتر کا ترجمہ و تفسیر ہیں۔ اور وید منتر کے کس لفظ کا منشا ہے " باپ جو آسمان پر ہے " ۔

دیگر اعتراضات

(۲) مسیح نے اپنی ماتا کا نرادر کیا اس لئے وہ رشی نہیں ہے۔ دھرم پال مسیح کی دس جواب (لوقا) سے کوئی نرادر ثابت نہیں ہوتا۔ رشی دیانند بھی اپنے مشن کی تکمیل کے لئے اپنے روتے چلاتے ماتا پتا کو چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے۔......

اول۔ متی ۱۲ لوقا ۸ مرقس ۳ میں لکھا ہے۔ کہ اس کے بھائی

اور اسکی ماں آئی اور باہر کھڑے ہو کر اسکو بلوا بھیجا۔ کسی نے اسکو کہا کہ تیری
ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے تجھ سے بات کیا چاہتے ہیں پھر اسنے جواب میں
خبر دینے والے کو کہا کہ کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی"

پھر یوحنا ۲ میں ہے۔ جب شراب گھٹ گئی تو یسوع کی ماں نے کہا کہ ان کے پاس
نہ رہی۔ یسوع نے اس سے کہا کہ اے عورت مجھکو تجھ سے کیا کام"

بایں ہمہ دھرم پال جی کہتے ہیں۔ نرادر نہیں کیا۔ معلوم نہیں گستاخی اور بے ادبی
سے پیش کس قسم کا ہے۔ رشی دیانند جی بیاہ کے بندھن سے بھاگے تھے۔ ماتا پتا کا
نادر ان کا بھاو نہیں تھا۔ جب ایک دفعہ اُن کے پتا ملے۔ تو انہوں نے پاؤں
پکڑ لئے اور بڑی عاجزی اور ادب سے جواب دیا۔ برخلاف اس کے مسیح کا جواب
ہے۔ "تم مجھے کیوں ڈھونڈتے ہو" "کون ہے میری ماں اور بھائی" "اے
عورت مجھکو تجھ سے کیا کام"

(۴) نمبر ۴ میں فرماتے ہیں کہ مسیح کی تعلیم سوائے چھوٹوں کے سچا اور
عین وید انکول ہے۔ اگر کہیں مت بھید ہو بھی تو ہمارے رشیوں منیوں کی تعلیم میں
بھی تو مت بھید رہا ہے"

جبکہ یہ امر مصدقہ ہے کہ تمام دنیا میں سچائی کی تعلیم وید کے سرچشمہ سے نکلی ہے
تو مسیح یا کسی دوسرے ملک کے مہاتما کے کلام میں جو سچے اصول ہونگے وہ ویدکی
ہی منعکسہ صورتیں ہونگی۔ اور ہمارے رشیوں منیوں کی تعلیم میں کونسا مت بھید ہے
کرپا کرکے اختلاف تو لکھ دیتے۔ تاکہ ہمکو بھی آپکی الزام دہی اور تحقیقات کا پتہ لگ
جاتا۔ رشیوں نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ برخلاف وید کسی کی بات مت مانو۔

(۵) مسیح بے علم تھا۔ دھرم پال جیسے چار رشی (جنہوں نے وید) بے علم تھے
اسی طرح مسیح بھی بے علم ہونے سے رشی کہلا سکتا ہے۔

مہاشہ جی۔ وہ چار رشی سمادھی حالت جو الہی ایشوری سرشٹی میں پیدا ہوئے تھے ودیا
ان کو گیان دیا گیا۔ الہام سے مشرف کیا گیا۔ پس وہ بے علم نہ تھے۔ نیز ان رشیوں کے

پہلے کوئی منش نہ تھا جس سے وہ گیان حاصل کر سکتے تھے۔ اگر کوئی ہوتا اور اس سے حاصل کرتے تو خواہ بے علم ہوں رشی نہ کہلا سکتے۔ مسیح کو ان سے کیا نسبت جو پیچھے سرشٹی میں اور لوگوں کی طرح پیدا ہوا۔ اسکو کوئی الہام نہ ملا۔ نہ وہ الہامی زبان سے واقف تھا۔ آئندہ بھی تمام عمر بے علم رہا۔ اس کے علم میں وہی باتیں آئیں جو بدھ و اعظین سے سنی ہوئی تھیں۔ ممکن ہے کہ جو کچھ سنا ہو پیارا لگنے پر اسکا پرچار ہوگا۔

(۸۰۷) یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ہوں۔ صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں کہ مرد کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اسکی ماں اور بہو کو اسکی ساس سے جدا کر دوں متی $\frac{10}{35-34}$

" میں زمین پر آگ لگانے آیا ہوں اور میں کیا ہی چاہتا ہوں کہ لگ چکی ہوتی۔ پر مجھے ایک بپتسمہ پانا ہے۔ اور میں تنگ ہوں۔ جبتک پورا نہ ہوا ؤ کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر میل کروانے آیا ہوں۔ نہیں میں تمہیں کہتا ہوں بلکہ لوقا $\frac{12}{51-49}$

" اگر کوئی میرے پاس آوے اور اپنی ماں باپ اور جورو لڑکے بھائی بہن بلکہ اپنی جان کی دشمنی نہ کرے۔ میرا شاگرد ہو نہیں سکتا۔

لوقا $\frac{14}{26-26}$

متلاؤ رشی دیانند یا کسی اور رشی منی نے بھی ایسا فرمایا ہے۔

(لطیفہ) مہاشہ دھرم پال نے آگ لگانے کی بہت عمدہ تشریح کی ہے کہ رگوید کا سب سے پہلا لفظ اگنی ہے جس کے معنی پرماتما اور آگ دونوں ہیں۔ اگنی کے بغیر کوئی بھی یگیہ پورن نہیں ہوتا۔ اس لئے دنیا میں آگ لگانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ دیکھئے باقی الفاظ کی کیا تفسیر فرماتے ہیں"

(۹) دھرم پال کہتے ہیں کہ مرتے وقت مسیح نے بزدلی کا اظہار نہیں کیا بلکہ

پھانسی پر لٹکتے ہوئے کہا کہ " اے باپ ان کو معاف کر" ہیں سے مسیح کی سپرٹ کا اندازہ لگ سکتا ہے۔ کہ کھشما کی پرارتھنا کرتا ہے اور ایلی ایلی لما سبقتانی ملا وٹی ہے۔ الخ

(جواب) اگر بحالت مجبوری جبکہ اور کوئی پیش نہ چلتی تھی۔ یہ پرارتھنا کی تو اس سے مسیح کی سپرٹ کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ متی ۲۶ باب میں یہودا اسکریوطی کی نسبت یہ بددعا بھی درج ہے۔ اُس شخص پر افسوس ہے جس کے ہاتھوں ابن آدم گرفتار کروایا جاتا ہے۔ اگر وہ شخص پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے بہتر تھا"

پھر متی ۲۷ " نویں گھنٹے کے قریب یسوع نے بڑے شور سے چلّا کر کہا۔ اے میرے خدا تو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا۔"

کیا آخری وقت میں رشیوں کے یہ الفاظ ہوا کرتے ہیں؟ نہیں بلکہ " ایشور تیری اچھیا پورن ہو" جو پچھلوں کے لئے سبق آموز ہوتے ہیں۔ یہ جو آپ نے فرمایا کہ ملاوٹی ہیں۔ مدعی سُست گواہ چست والا معاملہ ہے۔ آج تک کسی پادری نے ایسا نہیں لکھا۔

(۱۰) دھرم پال کہتے ہیں کہ انجیل سے ثابت نہیں ہوتا۔ کہ مسیح نے کوئی ایسی شراب پی ہو۔ جو انسان کو بدمست کرتی ہے۔ ہاں مچھلی کھانے کا ذکر ضرور آتا ہے۔ لیکن ستیارتھ پرکاش کے اندر ہیں منوسمرتی اور مہابھارت کے حوالے سے دکھایا گیا ہے۔ کہ بامدیو رشی نے کتے کا مانس کھایا۔ اور وشوامتر رشی چنڈال کے گھر سے کتے کا مانس چرانے کے لئے گئے۔ حالانکہ گوشت خوری کے باوجود رشی مانے جاتے ہیں۔ اور رشی دیانند ایک مدت تک بھنگ پیتے رہے۔ الخ

(جواب) شاید انگوری شراب بدمست نہیں کرتا کیونکہ مرقس ۱۳ باب میں ہے۔ " میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں انگور کا رس

(انگوری شراب) جس دن تک خدا کی بادشاہت میں اُسے نیا نہ پیوں پھر نہ پیوں گا۔"

"ابن آدم کھاتا پیتا آیا اور وے کہتے ہیں کہ دیکھو ایک کھاؤ۔ شرابی اور محصول لینے والوں اور بدمعاشوں کا یار ہے۔ متی ۱۱/۱۹۔

پھر جلیل میں ایک بیاہ ہوا۔ یسوع کی مع شاگردوں کے وہاں دعوت تھی۔ پیتے پیتے شراب گھٹ گئی۔ مسیح نے چھ مٹکے شراب معجزہ سے پیدا کر دی۔ ہر ایک مٹکے میں دو یا تین من کی سمائی تھی۔ یوحنا ۲/۱۱۔

گوشت کھانیوالا ہرگز یوگی اور رشی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سمادھی اوستھا تک پہونچنے کے لئے جو سیڑھیاں ہیں۔ ان میں پہلی سیڑھی اہنسا ہے۔

دوم مہابھارت ۱۲ بام دیو اور وشوامتر کا معاملہ (۱) یہ وام مارگیوں کے لگائے ہوئے الزام سند میں پیش نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان دونوں پستکوں میں ملاوٹ ثابت ہو چکی ہے۔ علماء غیر مذاہب بھی اقرار کر چکے ہیں ۲ (ب) پرانی کتب میں ایسے شلوک پائے نہیں جاتے۔ (ج) آپت کال کا کوئی فعل جرم نہیں ہوتا۔ کیونکہ شاستر کاروں کی رائے ہے کہ مصیبت اور مجبوری کی حالت میں مریادا قائم نہیں رہ سکتی۔ تاہم اس کے لئے پرایشچت مقرر ہیں۔

سوامی دیانند کا بھنگ والا واقعہ ابتدائی عمر کا ہے۔ جبکہ وہ رشی پدوی پر نہیں پہونچے تھے۔ "ایک مدت تک" بھی غلط ہے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ دس یوم۔ کیونکہ سوامی جی خود ہی لکھتے ہیں کہ یکم اکتوبر ۱۸۵۶ء چار شنبہ اسوج بدی ۱۹ سمت ۱۹۱۳ درگا کو پہونچے مندر پر جو چنڈال گڑھ میں واقعہ ہے۔ مینے دس دن گزرے۔ بدقسمتی سے اس جگہ مجھ کو ایک بڑا عیب لگ گیا۔۔ آگے کو بھنگ کا استعمال بالکل ترک کر دیا۔

۱۲ اور جبکہ متواتر منو کے بہت زمانہ بعد پیدا ہوئے۔ تو منو سمرتی میں اسکا ذکر کیسے آ سکتا ہے

مختلف نوٹس

(۲)

اجکل

مہاشہ دہرم پال جی کا قلم بہت جولانی پر ہے - اور آریہ اخبارات پردہ بے طرح منہ آرہے ہیں - نمعلوم آریہ اخبارات کس مصلحت سے اس کا نوٹس نہیں لیتے - اور خاموش کس وجہ سے ہیں - اعتراض کا جواب تو ضرور دینا چاہئے - اگر وہ معقول ہے تو اسکو تسلیم کرکے دہرمپال جی کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے - ورنہ اسکی تردید خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ وہ للکار کر کہہ رہے ہیں - کہ آریہ اخبارات میری تحریرات کا جواب نہیں دے سکتے - یہ مثل سچ ہے کہ اونٹ جب تک پہاڑ کے نیچے نہیں پہونچتا وہ کسیکو اپنے برابر نہیں سمجھتا - آریہ اخبارات کی خاموشی دہرم پال جی کی بلند پروازی کو بڑھا رہی ہے - حتے کہ آپ صاف صاف کھلے الفاظ میں تحریر کرتے ہیں - کہ آریہ پترون میں جوادویہ آتشک سوزاک وجریان وغیرہ کے اشتہار طبع ہوتے ہیں - یہ آدمی بھڑوے بن گئے ہیں" اولاً بھڑوے کا لفظ بحث طلب ہے - کہ بھڑوا کہتے کسکو ہیں - بھڑوے دو قسم کے ہوتے ہیں - ایک تو ہولی کے بھڑوے جسمیں امیر غریب ساہوکار فقیر اعلے ادنے ہنود کے دو ایک روز کے لئے عموماً بھڑوے بن جاتے ہیں - اور جو کوئی اس لفظ کا استعمال انکی نسبت کرتا ہے اسکا برا نہیں مانتے - یہ تو ہوئے فصلی بھڑوے - اب اصلی بھڑوے کے معنے بھی سن لیجئے - محاورہ ہندی میں بھڑوا اسکو کہتے ہیں جو اپنے گھر کی رشتہ دار عورت کی ناجائز کمائی پر بسر اوقات کرتا ہو - عربی میں اسکو دیوث فارسی میں قلتبان و قرمساق بولتے ہیں وحید اللغات میں [illegible]

کھاؤ کھیا کرتے ہیں۔ آریہ اخبارات میں اگر آتشک وغیرہ امراض متعدی کے ادویہ کے اشتہارات اجُرلی ہوا کرتے ہیں۔ تو معلوم نہیں۔ اِس میں کونسی قباحت وبد تہذیبی ہے۔ اگر بقول دھرم پال جی اسکو بھروا پن ہی تصور کر لیا جائے۔ تو فصلی ونقلی بھڑووں میں سے کوئی تعریف بھی اسپر صادق نہیں آسکتی۔ اگر امراض مذکورہ بالا کا کوئی مریض کسی طبیب کے پاس بغرض معالجہ جا کر اپنا حال کہے۔ تو کیا یہ بھی بھڑوا پن شمار ہوگا۔ اور جب اطبا نے فارسی۔ انگریزی۔ عربی وغیرہ میں اُن امراض کا حال بتشریح وبسط علاج درج کیا ہے۔ کیا وہ بھی بھڑوا پن سمجھا جائیگا۔ مہاشہ دھرم پال جی کو یہ تسحریز کرنا چاہیئے تھا۔ کہ اخبارات اِن امراض سے پیدا کر سکنے اگر ہدایت کرتے تو یہ فعل ان کا البتہ خلاف تہذیب تھا۔ وہ تو صرف اجُرلی اشتہار وافع امراض چھاپا کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک قسم کا پروپکار ہے کیونکہ جب مرض پیدا ہو گیا اور جسم میں موجود ہے تو حتے الامکان بہت جلد اُس کے دفعیہ کی کوشش مریض پر واجب ہے۔ اور اُس کے چھپانے سے مرض کے بڑھ جانے اور جان تک جانیکا خطرہ ہر وقت سامنے ہے جن الفاظ ہندی کا تلفظ صریح خلاف تہذیب سمجھا جاتا ہے۔ کتب طبیہ وقانون میں اُن کے تراجم کا برابر استعمال جاری ہے۔ حاکم عدالت کے روبرو ایک اظہار دینے والا کیسی ہی غیر مہذب لفظ کو بولے۔ اظہار کا لکھنے والا بعینہ اسی طرح اُس لفظ کو قلمبند کرے گا۔ کیا دھرم پال جی کے نزدیک یہ بھی خلاف تہذیب ہے۔

افسوس صد ہزار افسوس کیا ایسی تحریرات دھرم پال جی کی آریہ سماج کو کچھ فایدہ پہونچا سکتی ہیں اور دھرم کی کچھ اُنتی ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ بجائے منفعت الٹی مضرت پہونچنے کا احتمال قوی ہے بہتر ہوتا اگر وہ بجائے ایسی تحریرات لغو سنانیت آمیز کے وہ دھرم پرچار کی نسبت اپنے

اشہب خامہ کی باگ اُٹھاتے۔

مسلمان و ہندو اخبارات و رسالہ جات بالعموم امراض متعدی کو اشتہارات بااُجرت چھاپا کرتے ہیں۔ اگر دھرمپال جی بھڑوے پن کا لفظ اُنکی نسبت تحریر کرتے تو آٹے دال کا بھاؤ اُن کو معلوم ہو جاتا۔ یہ آریہ اخبارات کی اشرافت ہے۔ جو وہ ایسی ایسی تخفیف باتوں پر متوجہ نہیں ہوتے اور دیدہ دانستہ درگذر کر جاتے ہیں۔

(۳) مہاشہ دھرمپال جی

نے اپنی عادت کے مطابق مہاتما منشی رام جی کی نسبت ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے۔ کہ انہوں نے ——— جو مکان اپنا واقعہ شہر جالندھر گروکل کو دان کر دیا اور اپنے بچوں کی حق تلفی کی۔ یہ کارروائی اُنکی ناجائز ار- اس سے وہ پاپ کے بھاگی ہوئے۔

ہم حیران ہیں کہ ودیا دان میں جو منشی رام جی نے مکان دان کر دیا۔ اس میں پاپ کس بات کا ہوا۔ مکان اُن کا موروثی نہ تھا۔ وہ جائداد خود انہیں کی تھی قانوناً انہیں اُنکی اولاد کا ان کے حین حیات کوئی حق نہ تھا۔ نہ دھرم شاستر کی رو سے کچھ حق تھا ہمارے نزدیک انہوں نے بہت اچھا کیا۔ اور دھرماتما لوگوں کے لئے ایک نہایت عمدہ نظیر قائم کر دی سب کو چاہئے کہ گروکل کی سیوا تن من دھن سے ایسی ہی کریں جیسی کہ مہاتما منشی رام جی نے کی۔ اب رہا یہ امر کہ اُنکی اولاد کی حق تلفی ہوئی۔ تو اولاد ایشور کی کرپا سے فارغ التحصیل جوان عمر کی ہے۔ اگر اُن میں جوہر قابلیت موجود ہے۔ تو وہ اس سے بڑھکر مکان پیدا کر سکتے ہیں۔ اسکاٹ لینڈ کے ایک مشہور کروڑپتی مسٹر کارنیگی نے باوجود فہمائش و اصرار اپنے دوستوں اور عزیزوں کے اپنے لڑکوں کے لئے کچھ روپیہ باقی نہ چھوڑا اور تمام کمائی کروڑوں روپیہ امور رفاہ عام میں صرف کر دیا۔ اُنکی یہ فیاضی جا بجا ...

عالم میں مشہور اور صاحب ممدوح ابھی زندہ ہیں۔ اور اپنے احباب ناصح تو انہوں نے یہ کہہ کر سمجھا دیا کہ لڑکوں کے لئے نقد و جائیداد چھوڑنا اُن کو کاہل و نالائق بنانا ہے۔ میں نے اپنی ذات خاص سے کروڑوں روپیہ پیدا کیا ہے۔ اُن کو بھی چاہئے کہ اسی طرح پیدا کریں۔

کیا مہاشہ دھرمپال جی سے کسی نے اِس بارہ میں فتوی طلب کیا تھا کہ لالہ منشی رام جی کا یہ فعل پاپ ہوا یا پن۔ ایسی باتوں کی نسبت آریہ پبلک خود فیصلہ کر دیگی کہ آیا یہ فعل در اصل بجا ہوا یا بیجا۔ آپکو ان جھگڑوں سے کیا واسطہ۔ قاضی جی دبلے کیوں ہوئے شہر کے اندیشہ سے۔

ویدک دھرم پرچار

کے راستہ میں رکاوٹیں اور اُن کے دور کرنے کے سادھن۔ اِس عنوان سے جون سنہ ۱۹۱۱ء کے رسالہ اندر میں مضمون نکلا ہے۔ اسکو معائنہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت لیکھرام جی کی یادگار قائم رکھنے کے لئے جو آریہ سماج کی جانب سے اپیل ہوا کرتی ہے ایڈیٹر صاحب اندر کو از بس ناگوار خاطر ہے۔ اُن کی رائے میں سوامی دیانند جی و پنڈت لیکھرام جی وغیرہ کے لئے اس قسم کا چندہ مانگنا ایک قسم کی خون فروشی ہے۔ جو عیسائیوں یا مسلمانوں وغیرہ کسی قوم میں پائی نہیں جاتی۔" اُن کے نزدیک منجملہ دیگر موانعات کے ویدک دھرم پرچار میں ایک یہ بھی بڑی وجہ مانع ہے۔

مسلمان فقیر بالعموم خدا و رسول و علی و فاطمہ و حسنین و غوث الاعظم پیر وغیرہ اکابر دین کے نام سے علانیہ بھیکھ مانگا کرتے ہیں۔ عیسائی فقیر حضرت مسیح کے نام سے۔ ہندو فقیر اوتاروں کے نام مندروں کے پجاری اور مقبروں کے مجاور دیوتاؤں اور اولیا کے نام سے خیرات

لیتے ہیں۔ سلاطین دنیا بھی نامی اشخاص کی یادگار میں جو ان کے نصب کرنے
کے لیئے تمام دنیا کی مہذب گورنمنٹیں چندہ لیتی ہیں۔ تو اب ہم دھرمپال جی سے
پوچھتے ہیں۔ کیا یہ سب خون فروشی میں داخل ہے۔ یہ امر تو ظاہر ہے کہ چندہ
معزز و نامی اشخاص کے نام سے زیادہ وصول ہوا کرتا ہے۔ ایرا غیرا نتھو
خیرا کے نام سے اگر کوئی چندہ طلب کرے۔ تو ایک کوڑی کا وصول ہونا
مشکل ہے۔ دنیا میں کسی قوم کا کام بغیر روپیہ کے نہیں چلتا۔ آریہ سماج
ایک محدود تعداد کی جماعت اور پھر اس میں کوئی کروڑپتی یا لکھپتی شامل نہیں
اگر وہ دھرم پرچار کی غرض سے پنڈت لیکھرام جی وغیرہ شہیدوں کے
نام سے چندہ طلب کرتی ہے۔ تو نہیں گناہ کیا ہوا۔ اور اسکو خون فروشی
کس دلیل سے کہا جا سکتا ہے۔ روپیہ جو چندہ وصول ہوتا ہے۔ وہ سب دھرم
پرچار میں صرف ہوتا ہے۔ کسی شخص کے ذاتی مصارف میں کام نہیں آتا اور
نہ ستی پرتی ندھی سبھا کے دفتر سے ماہانہ جمع خرچ اس کا چھپتا رہتا ہے آریہ
پبلک کو اگر اسپر کچھ اعتراض ہو۔ تو وہ ہر وقت دیکھ کر اسکے مصارف و
مداخل کا حساب سمجھ سکتی ہے۔ اب رہا یہ امر کہ جو اخبارات بیادگار پنڈت
لیکھرام شہید جاری ہوئے۔ انہوں نے کیا کام کیا۔ اس کا حال بھی
آریہ پبلک سے پوشیدہ نہیں۔ کیونکہ وقتاً فوقتاً جو خطوط حضرات
اہل اسلام وغیرہ کے آریہ مسافر میں چھپتے رہے ہیں۔ وہ اس حال کے
مصدق ہیں۔ افسوس ہے۔ کہ وہ خطوط پرانی فائلوں میں تھے۔ نہ معلوم
کہاں تلف ہو گئے۔ ورنہ ہم انکی نقل چھاپ کر اپنے بیان کی صداقت
دوبارہ ظاہر کر دیتے۔ مگر آئندہ ضرور اس امر کا لحاظ رہیگا۔

آریہ مسافر بیادگار پنڈت لیکھرام جی دھرم پرچار کی غرض سے جاری
ہوا ہے۔ آریہ بھائیوں سے محض ٹکٹ وصول کرنے کے لئے تجارتی اصول
پر نہیں ہوا ہے۔ ایڈیٹر صاحب اندر نے آریہ مسافر اور اندر کی اشاعت کی

غرض کو واحد سمجھ کر دھوکا کھایا۔

ہم اسبارہ میں کہ دھرم پرچار میں آریہ سماج ترقی نہیں کرتی بالکل متفق ہیں۔ مگر یہ سماج کی غفلت و سستی ہے۔ اور اسی لاپرواہی کی وجہ سے ہمکو یہ نقصان پہونچے۔ مگر ہم اس گوشت فروشی و خون فروشی سے متفق نہیں۔ ہم اسکو انوجالی یا بادہ فروشی سمجھتے ہیں۔

ہمیشہ راستی کی فتح ہوتی ہے۔

اخبار وطن لاہور مطبوعہ ۳۔ مارچ سنہ رواں میں بعنوان "ویدوں کی تشریح نمبر" ایک بڑا لمبا چوڑا مضمون چھپا ہے۔ ہم نے جو بالاستیعاب دیکھا تو ماحصل اس کا یہ پایا گیا۔ کہ شنکر آچاریہ اور اُن کے شاگرد رشید لنکال داس اور ہنود کے فرقہ شیوی اور بشنوی وغیرہ میں اس مدت پانچہزار سال کے اندر کیا ایک بھی کوئی سنسکرت کا فاضل ایسا نہیں پیدا ہوا۔ جو ویدوں کے مطالب کو کما حقہ سمجھتا اور انکی تشریح کرسکتا۔ ہمارے زمانہ میں بھی مسٹر دادابھائی نوروجی و مسٹر گوکھلے و مسٹر آر۔ سی۔ دت و سر سید احمد خاں وغیرہ کیسے کیسے لائق و عالی دماغ اشخاص گزرے اور موجود ہیں۔ عہد اکبری میں راجہ ٹوڈرمل و بیربل وغیرہ کس لیاقت کے آدمی تھے۔ کیا ایک بھی عالی دماغ شخص اس مدت دراز میں پیدا نہیں ہوا۔ سوامی جی کا یہ دعویٰ بھی ٹھیک نہیں کہ جملہ علوم و فنون سرزمین ہند سے نکلکر روم مصر یونان وغیرہ میں پہونچے۔ اگر ہند کے باشندے ایسے عالم و فاضل تھے۔ تو انکی اولاد کیوں کوڑ مغز نکلی۔ سوامی جی کی تشریح ویدوں کی بمقابلہ تشریحات سناتن دھرم کے پنڈتوں اور یوروپین فاضلوں کے کیونکر ترجیح پاسکتی ہے کیونکہ سناتن والوں نے ذات کی تشریح میں چار ورن قرار دئے ہیں اور سوامی جی برعکس اس کے ذات پات کو باعتبار کاروبار پیشہ کے قرار

دیتے ہیں۔ اور یہ تعلیم اُن کو عیسائیوں اور مسلمانوں سے پہونچی ہے
سوامی جی کا عقیدہ نسبت ازلیت مادہ کے دہریوں کے عقیدے
سے ملتا جلتا ہے۔ جو منکر خدا ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

ہم اپنے معترض دوست سے دریافت کرتے ہیں کہ آپکو کیونکر یقین اسبات
کا ہو کہ وید و شاستر کی معلومات سوامی جی کو زیادہ تھی یا اُنکے آچاریہ اور
ان کے شاگردوں کو اور نیز علمائے یوروپین کی بقول آپکے کہ آریہ سماجی
سنسکرت سے ناواقف ہیں اور اُن سے کئی حصہ زیادہ آپ اور سب محمدی
احباب ناواقف۔ پھر اسکا فیصلہ کون کرے عیسائی و مسلمان وغیرہ بالعموم
مرض تعصب میں مبتلا ہیں۔ حق پسندی سے کسی کو سروکار نہیں۔ البتہ
ایک سبیل اسکی یہ ہے کہ جو بڑے بڑے عالم و فاضل سنسکرت کے پنڈت سناتن
دھرم سے علیحدہ ہو کر آریہ سماج میں شامل ہو رہے ہیں آپ اُنسے بروئے
حلف بحوالہ وید و شاستر دریافت کرکے اپنا اطمینان کر سکتے ہیں کہ آیا فی الواقعہ
ترجمہ وید سوامی جی کا صحیح ہے یا دیگر اشخاص کا سوامی جی کی فضلیت و ہمہ دانی
وغیرہ کا ثبوت تو منصف مزاج یوروپین حکام و پادریوں کی طرف سے پیش ہو چکا
ہے۔ کانپور کے مباحثہ میں جو مقابلہ اوجہا ہلدہر ایک بڑے منطقی کے
سوامی جی سے ہوا تھا۔ اُس میں برضامندی فریقین منصف و ثالث مباحثہ
مسٹر تھین صاحب یوروپین اسسٹنٹ مجسٹریٹ تھے۔ بعد اختتام مباحثہ
اُنہوں نے سوامی جی کے حق میں فیصلہ صادر کیا اور صاف لکھدیا کہ سوامی
جی کے دلایل مطابق احکام وید ہیں۔ اور وہ اپنے حریف پر غالب رہے
صاحب اسسٹنٹ گو یوروپین تھے۔ مگر سنسکرت کے بڑے محقق اور عالم
تھے۔ یوروپین پادری اسکاٹ صاحب نے جو فن منطق میں لاثانی تھے
بعد وفات سوامی جی کے متعلق یہ لکھا ہے کہ یہ محض منطق و فلسفہ میں
بے نظیر تھا۔ اب تک جس قدر تشریحات ویدوں کی ہوئی ہیں وہ اسوقت سے

صحیح نہیں اور نہ قابل تسلیم ہیں۔ کہ مفسرین نے نرکت و نگھنٹو وغیرہ مصطلحات
ولغات متعلقہ وید کی رو سے شرح نہیں لکھیں۔ اور بعض مفسرین
وام مارگی تھے۔ جنہوں نے اپنے مذاہب کی تائید کی غرض سے معنی منتروں
کے رد و بدل کر دیئے۔ اور ترجمہ غلط کر دیا جس طرح کہ مسلمانوں میں
بعض سست اعتقادوں اور منافقین نے وضعی احادیث تصنیف کر کے
دین اسلام میں اچھی طرح رخنہ اندازی کر دی۔ سوامی جی نے جن قاعدہ
اور جن کتب کی امداد سے ویدوں کی تشریح کی ہے۔ ان سب کا حوالہ مفصل
طور پر اپنی تشریح میں لکھ دیا ہے۔ آپ اسکی تصدیق کسی پنڈت سے
بشرطیکہ وہ متعصب نہ ہو بخوبی کر سکتے ہیں۔ معترض کا یہ کہنا کہ کیا اس
پانچ ہزار برس کے اندر ایک شخص بھی ویدوں کا عالم نہیں گذرا محض
ایک طفلانہ اعتراض ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ باعتبار تحصیل علم سنسکرت
کے سوامی جی کے برابر یا ان سے اچھی فضل پنڈت لوگ ہندوستان
میں موجود تھے۔ کیونکہ سوامی جی کی تعلیم آخر اسی ملک آریہ ورت میں ہی
ہوئی تھی۔ ان کے تمام استاد علوم سنسکرت صرف و نحو منطق و فلسفہ وغیرہ
کے اسی ملک کے باشندے تھے۔ کوئی ان میں سے باشندہ عرب و امریکہ
و یورپ کا نہ تھا۔ نہ وہ ہندوستان سے باہر جا کر کہیں پڑھے تھے لیکن
قبول خاطر و لطف سخن خداداد ست۔ جو شہرت و عزت علم سنسکرت کے
متعلق انہوں نے پائی کسی کو خواب میں بھی نصیب نہ ہوئی ہوگی۔ سوامی
ورجانند سرسوتی جو ان کے صرف و نحو کے استاد تھے۔ اور سوامی جی انکو دیا کرن
کا سوریہ یا آفتاب صرف و نحو کہا کرتے تھے۔ ان کا نام تک کوئی نہ جانتا تھا
وہ صرف سوامی جی کے تلمذ کی وجہ سے مشہور ہوئے۔

یہ بات سوامی دیانند جی کے حصہ کی تھی کہ جرمن و امریکہ وغیرہ کے عالموں
نے اپنی چٹھیات کے ذریعہ ان کو لکھا تھا۔ کہ جو فلاسفی کا سمندر آپ کے

پاس ہی۔ براہ عنایت اُس میں سے چند فقرات ہمکو بھی مرحمت
فرمائیے۔ اب معترض خود ہی انصاف کرے۔ کہ یہ فقرہ ہندوستان
کے کسی پنڈت کو آج تک حاصل ہوا ہے۔ شنکر اچاریہ کا عقیدہ ہمکو معلوم ہے
جین مت والوں کے ہمہ اوست کا تھا۔ مگر یہ عقیدہ اُن کا سوامی جی نے
ویدک دھرم کے خلاف ظاہر کیا ہے۔ معترض علماء وید سے اسکی تصدیق
کر سکتا ہے۔ کہ وہ اس خاص فقرہ میں کس کا دعویٰ صحیح ہے۔ مسلمان
صوفیوں نے بھی ہمہ اوست کا عقیدہ شنکر اچاریہ کی تعلیم سے ہی
سیکھا ہے۔ ورنہ قابلیت ایجاد اُن میں کہاں تھی۔

دادا بھائی نوروجی اور سرسید وغیرہ سے جو چند نام معترض نے
پیش کئے ہیں۔ یہ اسکی قابلیت پر دال ہے۔ بھلا نوروجی و سرسید احمد خان وغیرہ کو
علم سنسکرت سے کیا مناسبت۔ اُن کی قابلیتیں جداگانہ اقسام کی
ہیں۔ قانون شہادت کی رو سے یہ واقعہ غیر متعلقہ ہے۔

جملہ علوم و فنون کا خطہ ہندوستان سے نکلکر مصر و روم و یونان وغیرہ
جمیع ممالک عالم میں پہونچنا تو اظہر من الشمس اور متفق علیہ تمامی
علمائے عالم کا ہے۔ معترض اسکی تردید کر ہی نہیں سکتا۔ مسئلہ عام ہے۔
چار ورن کو سناتن دھرم والے بھی تسلیم کرتے ہیں اور سوامی جی بھی
ایسا ہی لکھتے ہیں۔ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ معترض کو دھوکا
ہوا ہے۔ البتہ سوامی جی ورنوں کی تقسیم باعتبار خواص و افعال و عادات
کرتے ہیں اور سناتن دھرمی باعتبار نسل پیدائش کے۔ مگر سوامی جی کا
قول اس وجہ سے زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ مبنی بر منشاء وید و شاستر
ہے۔ چنانچہ منوجی نے دھرم شاستر میں صاف طور پر لکھا ہے کہ برہمن چھتری
ویش شودر جسمیں جس قسم کی صفت ہو اُسی ورن میں اُس کا شمار کیا
جاوے۔ نہ معلوم عیسائیوں اور مسلمانوں کی تقلید اسبارہ میں سوامی جی نے

گیا کہ منوجی تو محمد صاحب و حضرت مسیح سے لاکھوں برس پیشتر گذرے ہیں جبکہ اسلام ولصرانیت کا نام ونشان ہی نہ تھا۔ پس متقدمین کسی حالت میں مقلد نہیں ہوسکتے۔ البتہ متاخرین ہو سکتے ہیں۔ ایک لڑکا اپنے باپ کا باپ نہیں بن سکتا۔ جب تک مسلمان سنسکرت نہ پڑھینگے انکی افسوسناک تاریکی ہرگز دور نہ ہوگی۔

دہریوں کا عقیدہ زمانہ کی قدامت کے متعلق ہے۔ اور سوامی جی کا عقیدہ ویدوں کی روسے مادہ کی قدامت کا تھا۔ زمانہ کی قدامت کو مادہ کی قدامت سے دیگر زمین وآسمان کا فرق ہے۔ مگر معترض ان دقیق مسائل کے سمجھنے کا مادہ ہی نہیں رکھتا۔ سوامی جی پورے موحد وخدا پرست تھے۔ انہوں نے دہریوں یعنی ناستکوں کی کما ینبغی تردید ستیارتھ پرکاش میں کردی ہے۔ معترض بچشم خود دیکھ سکتا ہے۔

گوشتخوری کا جواز کسی دلیل سے ثابت نہیں۔

"مسلمان" امرتسر مورخہ فروری ۱۹۱۱ء میں بعنوان گوشت خوری کے متعلق آریہ ڈاکٹر کے سوالات کے جواب" جو جوابات حکیم بشیر احمد صاحب اٹاوی کے شایع ہوئے ہیں۔ ہم خلاصہ ان کا معہ سوالات آریہ ڈاکٹر صاحب کے لکھ کر ان کی نسبت اپنی رائے کا اظہار بھی کئے دیتے ہیں محاکمہ اس کا اہل انصاف کے ہاتھ ہے۔

سوال نمبر ۵ - از آریہ ڈاکٹر صاحب۔ گوشت کھانیوالے گوشت کا پیوند اپنے اوپر چڑھاتے ہیں۔ تو اُن میں حیوانیت کا اثر آجاتا ہے۔ اس لئے تم گوشت نہ کھانا چاہئیے۔

جواب مسلمان - آپکے سوال کا پہلا فقرہ یعنی یہ کہ "انسان گوشت کا پیوند اپنے اوپر چڑہاتا ہے" بالکل صحیح ہے۔ بیشک غذا کھانا گویا پیوند

چڑھاتا ہے۔ مگر انصاف کیجئے کہ مثل کی مثل کے ساتھ پیوند لگانا انسب ہے۔ مگر یہ بات گوشت کھانے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ کیونکہ انسان کا جسم گوشت کا بنا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ انسان کو گوشت کھانا چاہئے۔ دوسرا فقرہ اس سوال کا بڑے مزہ کا ہے معلوم نہیں کہ آپ نے حیوان کے کیا معنی سمجھے ہیں۔ حیوان تو آپ بھی ہیں۔ حیوانیت کوئی عیب کی بات نہیں۔ حیوان کے معنی زندہ شے کے ہیں پس ہر انسان حیوان ہوسکتا ہے۔ وغیرہ

الثالث بالخیر آریہ مسافر بقول "مسلمان" اگر مثل کے ساتھ مثل کا پیوند لگانا انسب ہے۔ تو اس قاعدہ سے انسان کو انسان کا گوشت کھانا چاہئے۔ کیونکہ گوشت انسان کا مشبہ انسانی گوشت ہی ہوسکتا ہے کسی اور دوسرے حیوان کا نہیں ہوسکتا۔ اسکو تشبیہ تامہ کہتے ہیں اور یہ قاعدہ آپ ہی کا مسلمہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ لفظ حیوان میں انسان و حیوان دونوں شامل ہیں۔ تو یہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ پھر ناطق و مطلق کا فرق باقی رہتا ہے۔ اس حساب سے بھی ناطق کو ناطق کا اور مطلق کو مطلق کا گوشت کھانا چاہئے۔ کیا "مسلمان" کے نزدیک حیوان ناطق و مطلق میں کوئی فرق نہیں ہے؟ ہم نے مانا کہ لفظ حیوان کے معنی زندہ کے ہیں کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک زندہ دوسرے زندہ کو کھا جائے کیا اچھا استدلال ہے۔ لیجئے ہم نے اسی کے رو سے ثابت کردیا کہ انسان کو کسی حیوان کا گوشت نہ کھانا چاہئے۔ کیونکہ وہ مثل اس کا ہرگز نہیں ہے ڈاکٹر صاحب کا یہ اعتراض صحیح ہے کہ گوشت کھانیوالے انسان میں حیوانات کا اثر ضرور آجاتا ہے۔ مسلمان کا یہ جواب کہ کیا گوشت کھانے والے کے جسم میں سینگ یا دم یا پر وغیرہ نشانات حیوانی ظاہر ہوجاتے ہیں۔ جواب شافی نہیں کیونکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ ہر ایک شے میں کوئی نہ کوئی تاثیر ضرور ہوتی ہے۔ اس سے خالی کوئی چیز نہیں۔ غیر ممکن ہے

کہ جو تہے کھائی جائے۔ اُس کا اثر پیدا نہ ہو گوشت کھانیوالوں میں غصہ و دغابازی و بے رحمی وغیرہ خواص حیوانی ضرور آجاتے ہیں۔ اور سبزی خوار حیوان بالعموم نیک و حلیم الطبع ہوا کرتے ہیں۔ اس کا تجربہ حکمائے یورپ نے اچھی طرح کرکے دیکھ لیا ہے۔ یہ جواب بھی ٹھیک نہیں کہ ہم حیوان خور نہیں۔ ہم گوشت کھاتے ہیں۔ جو بیجان چیز ہے۔ ہم اُس کے جسم سے گوشت کاٹ کاٹ کر نہیں کھاتے۔ زندہ حیوان کو تو کوئی بھی نہیں کھا سکتا انسان ہوں یا حیوان جو جو گوشت خور ہیں وہ سب اول حیوان کو مار کر ہی اس کے بعد اُس کا گوشت کھاتے ہیں۔ پس حیوان خور و گوشت خور الفاظ مترادف ہیں معنی دونوں کے ایک ہیں۔ یہہ جواب مجیب کے مفید مطلب نہیں بلکہ موئید ہے ڈاکٹر صاحب کا۔ مسلمان کا یہ خیال کہ اگر انسان میں حیوانات کے گوشت کے کھانے سے حیوانیت آجاتی ہے۔ تو شیر وغیرہ درندے گائے وغیرہ سبزی خوروں کا جو گوشت کھاتے ہیں تو وہ بجائے گوشت خور ہونے سے سبزی خور کیوں نہیں ہو جاتے محض غلط ہے کیونکہ گوشت عموماً سبزی وغیرہ کا بنتا ہے گوشت بنکر سبزی کی تاثیر جاتی رہتی ہے۔ سبزی کی تاثیر جدا گوشت کی جدا ہوا کرتی ہے۔ بحالت استحالہ تاثیر ہمیشہ بدل جاتی ہے۔ چنانچہ گھی و مکھن۔ بالائی وغیرہ سب چیزیں دودھ سے پیدا ہوتی ہیں مگر تاثیرات سب کی الگ الگ ہیں۔ پس سبزی خور حیوانات کے گوشت میں سبزی کی تاثیر کیونکر قائم رہ سکتی ہے۔ جو شیر وغیرہ درندوں پر اثر پیدا کرکے اُن کو بھی سبزی خوار بنالے۔ شراب میں اگر نمک ملا دیا جائے تو وہ مستحیل بہ سرکہ ہو جاتی ہے۔ جسکی تاثیر بھی شراب سے جدا ہوتی ہے۔ یہی کیفیت دودھ کے استحالہ کی ہے۔

ہندو مسلمانوں کا اتفاق

اخبار آریہ گزٹ مورخہ ۱۹ پھاگن ۶۴ء کے معائنہ سے معلوم ہوا کہ جس روز

سر آغا خان صاحب بہ تقریب فراہمی چندہ مسلم یونیورسٹی لاہور میں آئے
اور اہل اسلام لاہور نے بہت گرمجوشی سے اُن کا استقبال کیا تھا اُس روز
علاوہ مسلمانوں کے قریباً دو ہزار ہندو لوگ بھی اُن کے مریدوں میں
موجود تھے اور جو میوہ جات اُنہوں نے آغا خان صاحب کی نذر
گزرانے۔ اُنہوں نے پھلوں کو اپنے ہاتھ سے چھو کر پاک کر دیا۔ ہنود
نے بطور تبرک بڑی خوشی سے اُسکو لیا تھا۔

گو آغا خان صاحب کا مسمی مذہب ہے۔ جو متعلق دین اسلام ہے مگر
یہاں ہمکو مذہب مسمی قمری سے بحث نہیں نہ اُسکی حقانیت و عدم
حقانیت میں کچھ کام ہے۔ اسکی نسبت مباحثہ و تصفیہ حق و باطل کے
مجاز اہل اسلام ہیں۔ ہم دخل در معقولات دینا نہیں چاہتے۔ مگر کلام یہ
ہے کہ ہزارہا ہنود اُن کے مرید کس غرض سے ہوئے۔ اور اس قسم کی
پیری و مریدی کس ملت کی رو سے جائز سمجھی جاوے گی۔ نہ معلوم اس قسم
کے ہندوؤں کا شمار مردم شماری میں بمدہ مسلمین ہوگا۔ یا ہندوؤں میں
کیا شریعت اسلام کی رو سے ایسے ہندو بروز قیامت محمد صاحب کی شفاعت
سے بخشے جائیں گے۔ اور حوران جنت و شراب طہورا کے مستحق قرار پائینگے
اور لفظ مومنین کا اطلاق اُنپر ہو سکتا ہے؟

ہمارے نزدیک تو علمائے اسلام بالاتفاق جواب اس کا غالباً نفی میں
دیں گے۔ کیونکہ تاریخ اسلام کے معائنہ سے اس قسم کے مسلمانوں کی
نظر ہماری نظر سے کوئی نہیں گزری۔ اگر یہ لوگ ہندو سمجھے جائیں گے تو
کس قاعدہ سے۔ کیونکہ وید و دھرم شاستر کی رو سے تو ان کے عقائد
نسبت ایک شاخ مذہب اسلام کی ہے تو ناجائز ہیں۔ اب رہے پران
چونکہ یہ سب ہندو سناتنی دھرم کے ہیں شاید تسلی پران کی رو سے
ایسی مریدی جائز ہو تو ہمکو خبر نہیں۔ اسکی نسبت اُمید ہے کہ سناتن دھرم پرچارک

امرتسر و اخبار عام جو سناتن دہرم کا جامہ پہنے ہوئے ہیں غالباً ضرور
صراحت کریں گے۔ تاکہ ہمکو بھی معلوم ہو جائے کہ یہ کس قسم کے ہندو قرار
پائے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ ہندو اور مسلمان دونو ہیں تو یہ اجتماع ضدین
ہے۔ جو محال ہے۔ بھلا گنگا مدار کا ساتھ کیسا۔ الغرض یہ ایک مسئلہ
لاجواب ہے۔ دیکھیں ہندو مسلمانوں میں سے کون اس کا جواب دیتا ہے
کسی نے خوب کہا ہے۔ ع کس کی ملت میں گنوں آپکو تبلائے شیخ
تو کہے گبر مجھے گبر مسلماں مجھکو۔

چونکہ آج کل ہندو مسلمانوں کے اتفاق باہمی کی خوب کوشش ہو رہی
ہے۔ ہماری رائے میں اس سے بڑھکر اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی کہ ہندو
مسلمانوں کے مرید ہو جاویں۔ اور مسلمان ہندو مہنتوں کے چیلے بنجاویں
پھر آئے دن کے سب جھگڑے مٹ جائیں۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

مرزا صاحب قادیانی آنجہانی نے یہ چال چلی تھی اور صلائے عام بھی
صلح کل کی دی تھی۔ چنانچہ ان کا قول تھا کہ کرشن جی بھی نبی تھے۔ مگر
افسوس ہے کہ انکی عمر نے وفا نہ کی۔ اور نتیجہ کے ظہور سے پہلے ہی
انتقال کر گئے۔ سری کرشن جی کو تو انہوں نے نبی تسلیم کر لیا تھا۔ مگر ان کو
خبر نہ تھی کہ سری کرشن جی نے گیتا میں مسئلہ تناسخ کو صحیح قرار دیا ہے لہٰذا پس
کرشن جی کو نبی برحق سمجھنا اور گیتا کو جو خاص انکی تصنیف ہے نہ ماننا
بعینہٖ ایسا ہی ہے جیسے کوئی مسلمان محمد صاحب کی نبوت پر تو ایمان لائے۔ مگر قرآن
شریف سے منکر ہو۔ کوئی مسلمان اسکو مسلمان نہ کہیگا۔

ہندی بھاشا پر مسلمانوں کا ظلم

پرچہ دلگداز ماہ اپریل ۱۹۱۱ء میں مولوی عبدالحلیم صاحب شرر

حسب ذیل رقمطراز ہیں۔ "مولانا حالی نے دو چار ہندی الفاظ
کمال اُستادی سے بڑی ہی خوبصورتی کے ساتھ استعمال کر دئے ہیں
اور بعض تصرفات بھی کئے ہیں جو ہمارے نزدیک قابل اعتراض نہیں
مگر اُنکی تقلید میں بعض نوخیز شعرا ایسے بے موقع و بے محل ہندی لفظوں
کو استعمال کرنے لگے ہیں۔ جس سے اردو زبان تباہ ہوئی جاتی ہے۔ سہوٹی
کے انسٹیٹیوٹ گزٹ میں چودھری خوشی محمد صاحب ناظر کی ایک نظم ہے
جسکے شعر چہارم کا مصرع ثانی ہے۔

جام گدائی ہاتھ میں لیکر دوارے دوارے پھرتے ہیں

یہ "دوارے دوارے" اردو کی جان پر ستم کا اتنا بڑا پہاڑ ہے کہ خدا
ہی ہے جو وہ جان بر ہو سکے۔" سنسکرت کا اصلی لفظ دوار ہے بھاشا
میں دوارے دوارا وغیرہ بولتے ہیں۔ فارسی میں در اور دروازہ بولتے
ہیں۔ اگر بجائے لفظ در کے جو فارسی ہے شاعر نے دوار کا لفظ کو
لکھدیا تو معلوم اس میں قباحت کیا واقع ہوئی۔ اور اردو کی جان پر کونسی
ستم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ الا حتے الامکان الفاظ فارسی و
عربی ہندی۔ بھاشا سے خارج کرنے ضرور ہیں۔ تاکہ زبان میں سلاست پیدا
ہو۔ الفاظ در اور دروازہ فارسی ہیں اور ڈور انگریزی ہیں سب کا ماخذ
لفظ دوار ہے جو سنسکرت ہے۔ گویا اس حساب سے ان سب کا
بابا آدم دوار ہی ہے۔ پھر اس لفظ سے اظہار تنفر محض تعصب ہے
جو اسلام کی سرشت میں داخل ہے۔ ایڈیٹر

انسانی معدہ اینٹ پتھر ہضم نہیں کر سکتا

نظام قدرت نے جس حیوان کے قابل جو خوراک بنائی ہے۔ اسی غذا کو وہ ہضم کر سکتا ہے۔ قواعد ہاضمہ مختلف حیوانات

میں مختلف اقسام کی پائی جاتی ہیں۔ انسانی معدہ اینٹ پتھر لوہا وغیرہ
ہضم نہیں کرسکتا۔ مگر برخلاف اس کے کبوتر و مرغ وغیرہ کنکر پتھر بلکہ
کانچ کے ٹکڑے تک ہضم کرجاتے ہیں۔ گو انسان ان کو بلانوش سمجھیں
مگر یہ ہاضمہ اُن کا نظام قدرت کے خلاف نہیں۔ اطبا یونانی نے اسی
بنا پر مرغ کے سنگدانہ کو قوت معدہ کے لئے بہترین دوا تجویز کیا ہے۔

رسالہ اندرا ہ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء میں بعنوان "یہ آثار مبارک ہیں" بحوالہ چٹھی
پنڈت شیوشنکر جی کا دیہ تیرتھ شدھی کے بارہ میں ایک مضمون نکلا ہے
جس کا ماحصل یہ ہے کہ آریہ سماج میں جنم کے عیسائیوں مسلمانوں کو ہضم کرنے
کی طاقت نہیں۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ اس کام کو بند کیا جائے۔ ایڈیٹر
صاحب نے پنڈت جی موصوف کی رائے سے اتفاق کرکے بہت زور
اس بات پر دیا ہے کہ آئندہ ایسی شدھیاں نہ ہوا کریں بلکہ مسلمان و عیسائی اخبارات
کو بہت تاکید کے ساتھ اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ حتی الوسع پنڈت جی کی
چٹھی کی اشاعت اپنے اپنے اخبارات میں کردیں۔ تاکہ آئندہ جس شخص کا ایسا منشا ہو
وہ اس سے محترز رہے۔ اول تو پنڈت شیوشنکر جی کی چٹھی تصدیق طلب ہے
بالفرض اگر بجنسہٖ یہ چٹھی انہیں کی لکھی ہوئی بھی ہو۔ تو یہ انکی ذاتی رائے
ہے۔ آرا اکثر مختلف ہوا کرتی ہیں۔ اندر کو اگر انکی رائے سے اتفاق ہے تو
ہوا کرے۔ ہمکو اس سے قطعی اختلاف ہے۔ کیا سوامی دیانند سرسوتی جی نے
ایک جنم کے مسلمان کو شدھ نہیں کیا؟ کیا آریہ سماج سیالکوٹ اور
آریہ سماج جالندھر شہر نے ہزارہا میگھوں اور رہتیوں کو شدھ نہیں کیا؟
کیا ان کی ترکت کے علاوہ شادی بیاہ تک میں آریوں نے ان سے
پرہیز نہیں کیا۔ اسکی نظائر موجود ہیں۔ کیا خاص ایڈیٹر صاحب اندر کی
شادی ایک آریہ کل قوم کھتری میں قرار نہیں پاگئی تھی؟ جو انجام کار اسی
وجہ سے نہیں ہوئی۔ کہ جبتک سماج کو پورا پورا دشواس ایڈیٹر صاحب اندر

سے اچارِ دلی اعتقاد کا نسبت ویدک سدہانتوں کے نہو جاوے۔ تب تک شادی ملتوی ہے۔

ہم حیران ہیں کہ ایڈیٹر کا منشا ہضم کرنے کی طاقت سے کیا ہے۔ کھانے پینے کی شرکت شادی بیاہ کا ہونا براہین قاطع اِس امر کی ہیں کہ آریہ سماج میں کامل طور پر قوت ہاضمہ جنم کے عیسائی مسلمانوں کے جذب کی موجود ہے جسکو ہم بخوبی ثابت کر چکے۔ البتہ جیسا کہ عنوان ہم نے قایم کیا ہے۔ واقعی انسانی معدہ اینٹ پتھر ہضم نہیں کر سکتا۔

پس جو جو اشخاص عیسائی و مسلمان سیاہ باطن اپنے ساتھ لاکر آریہ سماج میں دھرم کے لئے نہیں۔ بلکہ کسی اور غرض سے شامل ہوئے۔ اور بعد چندے اِس کے دایرہ سے نکل گئے یا فی الحال نکلجانے پر آمادہ ہیں اُن کو آریہ سماج تو کیا کوئی بھی سوسائٹی ہضم نہیں کر سکتی کیونکہ اُن کا انتہ کرن ہی شدہ نہیں۔ ظاہری شدھی سے کیا ہو سکتا ہے۔

ہماری رائے میں تمام آریہ اخبارات کو بہت زور کے ساتھ اپنے صحائف میں اعلان عام اِس امر کا کر دینا چاہئے۔ کہ عیسائیوں مسلمانوں سے جو جو اصحاب بخلوص اعتقاد و صفائی باطن شدھ ہونا چاہیں وہ بلا تامل چلے آویں۔ آریہ سماج اُن کے خیر مقدم کے لئے ہر وقت تیار اور اُنکی خدمت کو بسر و چشم حاضر ہے۔

محمدی علما کو ہمارا چیلنج

اُس کا جواب

اور ہمارا جواب الجواب

دیکھو رسالہ فروری سنہ ۱۹۱۱ء

چونکہ ہمارے نزدیک یہ مفروضہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جیسیکہ ہم لکھ چکے ہیں کہ اس قسم کا مفروضہ کسی انگریزی کُتب منطق میں نہیں پایا جاتا۔ لہذا آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اسکے واسطے کوئی دلیل بیّن پیش کریں۔ جس سے یہ ثابت ہو کہ اشیاء قائم بالذات اپنی ہستی میں ضرور کسی دوسری ہستی کی محتاج ٹھیرتی ہیں۔ محض عربی فلسفہ کی سند ہمارے لئے کافی نہیں۔ دوم آپ ذرا منطق کی شکل لگا کر دکھلادیں کہ آپ کا دعوی کیونکر پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے۔

رہی واجب الوجود کی تعریف کہ وہ اپنی ہستی میں کسی دوسری چیز کی محتاج نہ ہو۔ سو اس تعریف میں مادہ اور روح بھی آجاتے ہیں کیونکہ وہ محض اپنی ہستی کے لئے خدا کے محتاج نہیں۔ بلکہ دیگر امورات کے لئے محتاج ہیں۔ آپ جو واجب الوجود اور قائم بالذات کو دو علیحدہ علیحدہ وجود فرض کرتے ہیں۔ اس کے حق میں کسی یوروپین مستند مصنف کی کتاب بطور سند پیش کریں۔ یا موجودہ تحقیقات علم طبعی اور

کیمیا سے ثابت کریں - کیونکہ ایک حالت میں روح اور مادہ ایسے ہی ازلی
الوجود ہیں جس طرح کہ خدا - ہاں کل صفات میں وہ یکساں نہیں -

مولوی - چند چیزیں جو اپنے اوصاف ذاتی اور کیفیت خاص میں یکساں
شریک ہوں ان میں سے کسی کو بھی ایک دوسرے پر فوقیت دینا اصول
فلسفہ کے خلاف ہے - کیونکہ جو چیزیں آپس میں یکساں اوصاف کی جامع ہوں
وہ تمام وکمال ہر صفت و تعلق میں یکساں شریک ہونگی - اور ان کو تعلقات
وجود مراتب و افعال سب یکساں ہونگے - اور ان میں سے کوئی بھی خاص
امتیاز چاہنے سے معرا ہوگی - کیونکہ وہ تمام ہر طرح سے یکساں ہیں -

جواب - مولوی صاحب آپ کا مندرجہ شرح ہی جواب میں لکھا جاتا ہے
صاف سمجھا ہے پاؤں یار کا زنجیر زلف میں - لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا -
مولوی صاحب ہم تو نہیں پھنستے تھے - مگر آپ ضرور زلف کے پیچ میں
پھنس گئے - آپ نے خود ہی حق بات منہ سے کہہ دی - آپ لکھتے ہیں کہ جو
چیزیں اپنے اوصاف ذاتی اور طبیعت خاص میں یکساں اشتراک رکھتی ہیں وہ
ہر طرح سے یکساں ہونگی اور ہم بھی ایسا مانتے ہیں - اسکو الٹانے سے
ایک یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ جو چیزیں اپنے اوصاف ذاتی میں یکساں
نہ ہوں - وہ ہر طرح سے یکساں نہ ہونگی - ہم کب کہتے ہیں کہ مادہ - روح
اور پرمیشور اپنے تمام ذاتی اوصاف میں یکساں ہیں ؟ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ
وہ تمام اوصاف میں یکساں نہیں ہیں اگر ان کو تمام اوصاف میں یکساں مانیں تو
اس صورت میں آپ کا مستخرجہ نتیجہ بےشک درست ہے - مگر جب ہم انکو تمام
اوصاف میں یکساں نہیں مانتے - تو وہ کسی حالت میں تمام مراتب میں یکساں
نہیں ہو سکتے -

ایشور - ست (ہر سہ ازمنہ میں غیر مبدل) چت (علم) آنند (راحت)
سرو ویاپک وغیرہ وغیرہ

جیو سرت (ہرسہ ازمنہ میں غیر متبدل) چت (حی) ایک و لیشی محدود مادہ ست۔ (ہرسہ ازمنہ میں غیر فانی)۔

پس چونکہ ایشور۔ جیو۔ اور مادہ تمام اوصاف میں برابر نہیں۔ اسلئے ضرور ایک کو دوسرے پر فوقیت دینی پڑیگی۔ باقی اصطلاحات جو آپنے ہمارے جواب میں بطور مسلمات درج کی ہیں۔ ان کا مضمون زیر بحث سے کچھ تعلق نہیں۔ اور نہ ہم انکو مستند خیال کرتے ہیں۔

مولوی۔ معلوم نہیں کہ مہاشے مضمون نگار نے نیست سے ہست کرنے کے کیا معنی سمجھ رکھے ہیں۔

جواب۔ مولوی صاحب! نیست سے ہست ہونے کے معنی صاف ہیں عدم محض سے وجود میں آنا۔ عدم محض سے کوئی چیز وجود میں نہیں آسکتی خواہ ایک خدا نہیں دس خدا کیوں نہ ہو جاویں۔

مولوی۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ نیست سے ہست کرنے کے معنی آپ نے سمجھے ہی نہیں۔ نیست سے ہست کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ابتدائے قوت مثل یا محض ایک وجود تھا۔ جو واجب الوجود اور خدا سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو تمام عالم کے وجود کا سبب و علت ہے۔ کیونکہ بغیر ایسی قوت یا وجود کے جو واجب الوجود اور واجب الذات ہو۔ کسی چیز کا وجود نہیں ہو سکتا اور مادہ جسکو قدیم مانا جاتا ہے۔ وہ واجب الوجود کی ایک قوت ہے۔ جو کسی طرح اس سے جدا نہیں۔

جواب۔ مولوی صاحب! آپنے خود نیست سے ہست ہونے کے معنی سمجھ لئے ہیں۔ اگر یہی معنے سمجھے ہیں جو جناب نے بیان فرمائے ہیں تو ہمارا دعویٰ ہے کہ آپنے بالکل غلط سمجھا۔ مادے کو خدا کی قوت کہنا <u>کن</u> اصول منطق کے مطابق ہے <u>سبحان اللہ آپکی منطق دانی! کبھی غیر مادی</u> ہستی کی قوت مادی بھی ہو سکتی ہے۔ ملاحظہ ہو سار کلیہ (ایک ہی چیز سے

اسکی متضاد صفات والی چیز برآمد نہیں ہو سکتی؟ اور محض قوت سے کسی
شے کا پیدا ہونا کس اصول سائنس اور منطق کے مطابق ہے۔ قوت کیا
چیز ہے؟ اسکو صفت یا حالت کہو گے۔ صفت یا حالت کا وجود موصوف
سے الگ نہیں ہوا کرتا۔ اور نہ اُس سے آگے کوئی چیز بن سکتی ہے۔ گلاب
کے پھول میں سرخی پائی جاتی ہے۔ کیا محض سرخی سے کوئی چیز پیدا
ہو سکتی ہے؟ کیا قدرت میں آپ کوئی ایسی شے بتا سکتے ہیں۔ جہاں
سُرخی اُس سے الگ پائی جاتی ہو۔

مولوی - مسئلہ نمبر ۳ سے یہ امر بخوبی منکشف ہو گیا ہے۔ کہ واجب الوجود
اپنے وجود میں صرف ایک ہی چیز ہے۔ اور وہ بالاتفاق جمیع حکماء
مادہ اور روح کی علت بھی ہے۔

جواب - بالکل غلط ہے کسی مستند منطق کی کتاب میں ایسا واجب الوجود
فرض نہیں کیا گیا۔ اور اس مفروضے کے غلط ہونے کی بابت ہم پہلی کافی
بحث کر چکے ہیں رہا جمیع حکماء کا اتفاق سو نہ معلوم یہ آپنے بغیر تحقیقات
کرنے کے کیوں لکھ دیا۔ مادہ کی قدامت کے متعلق ملاحظہ ہو۔

Novum organum page 404 foot note. Nearly all the ancient philosophers admitted the existence of a certain primitive & shapeless matter as the substratum of things which the creative power had reduced to fixed proportions & resolved into specific substances.

ترجمہ تمام قدیم حکماء ایک ابتدائی اور بے شکل مادے کی ہستی مانتے تھے جو پیدا کرنے والی طاقت اسکو خاص حالت اور خاص شکلوں میں تبدیل کرتی ہے اور نیز ملاحظہ ہو ہسٹری آف فلاسفی صفحہ ۷۷ مطبوعہ ۱۹۱۰ء جہاں صاف طور پر درج ہے کہ ارسطو مادے کی قدامت کا قائل تھا - نہ صرف یہی بلکہ اخلاق ناصری مقالہ اول قسم اول فصل دوم صفحہ ۱۴ و ۱۵ میں صاف طور پر روح اور مادے کو قائم مانا گیا ہے - یہ کتاب ایک مسلمان کی تصنیف کردہ ہے ۔

مولوی - مادہ اور روح کو محض اسوجہ سے قدیم ماننا کہ بغیر مصالحہ کے کوئی چیز تیار نہیں ہو سکتی - غلط ہے - کیونکہ واجب الوجود ایک ایسی ذات ہے - کہ جس کے حکم یا الفاظ سے اشیاء وجود میں آسکتی ہیں اور الفاظ سمجھنے کے لئے خواہ مادہ مان لو - خواہ روح - پس مادہ جسکو وجودی چیزوں کا مصالحہ بنایا جاتا ہے - خدا کی ایک قوت ہے - یا ارادہ اور الفاظ ہیں (ناظرین مولوی صاحب کی منطق دانی پر غور فرما دیں) جو خصوص ایسے مواقع اور شرائط استعداد و قابلیت پر کام آتے ہیں - خدا نے اس دنیا کو اس مصالحہ سے پیدا کیا ہے - جو اسکی ذات میں بطور قوت ارادہ یا الفاظ کی صورت میں جلوہ گر تھا - اور جو کم عقل غیر اشراقی لوگوں کے ادراک سے بدرجہا دور ہے -"

جواب - یہ آپ کا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے - کہ واجب الوجود کے حکم سے تمام اشیاء عدم محض سے وجود میں آسکتی ہیں - آپ نے اس کے متعلق کوئی دلیل نظام عالم یا مستند فلسفہ کی کتاب سے پیش نہیں کی - مادے کو خدا غیر مادی کی صفت بتلانا یہ آپکے منطق میں کہیں لکھا ہوگا - غیر مادی کی خاصیت یا صفت مادی چیز کیسے ہو سکتی ہے - اور محض قوت یا ارادے سے (جو کہ غیر مادی ہستی کی ایک صفت ہے)

کیونکر کوئی چیز جلوہ گر ہو سکتی ہے۔ جبتک کہ اس ارادے کو پہنچنے کے
لئے کوئی ہتھیار یا ذریعہ موجود نہ ہو۔ انسانی روح ایک غیر مادی ہستی ہے
اور بعض صوفیا کے نزدیک تو وہ خدا کا جزو ہی ہے۔ مگر باوجود غیر مادی
ہونے کے وہ کوئی چیز محض ارادے سے پیدا نہیں کر سکتی تاوقتیکہ
اُس کے پاس ہتھیار یا ذریعہ نہ ہو۔ مثلاً اگر کسی آدمی کے ہاتھ اور
پاؤں کٹے ہوئے ہوں۔ تو وہ محض ارادہ سے کیا کام کر سکتا ہے
روح جو کہ ایک چھوٹی جاندار ہستی ہے۔ اسکو بھی بموجب آپکے اصول
کے کوئی چھوٹی سی دُنیا محض ارادے سے پیدا کرنی چاہئیے۔ مگر ہم
عالم میں ایسا ہوتا ہوا نہیں دیکھتے۔ پس یہ فرض کرنا کہ خداوند کریم نے
بغیر مادہ اور روح کے دُنیا کو پیدا کیا۔ بالکل لغو بات ہے۔ اور یہ کوئی
اسکی بے عزتی نہیں۔ بلکہ اسکی ایسی جھوٹی تعریف کرنا اسکی بے عزتی ہے۔

مولوی ۔ جو چیزیں غیر مادی ہوتی ہیں۔ اُنکی تاثیرات اور افعال
میں جو قوت خرچ آتی ہے۔ وہ محسوس نہیں ہوتی۔ بلکہ بطور
استفاضہ اُسکا وجود ہوتا ہے۔ اگلے جوابات میں اسکی کافی تشریح
کیجاویگی۔ ذات کو موڑ توڑ کر کسی چیز کو پیدا کرنا آپکے نزدیک ممکن الوجود
امور میں سے معلوم ہوتا ہے۔ کیا کسی مہاشے کی عقل اِس بات کا
ادراک کر سکتی ہے۔ کہ کس کس ذات سے اُسکی اصلی ہیئت بدل کر یا منتقل کر کے
اُس سے دوسری چیز پیدا کی جاوے۔ جبکہ یہ بات مان لی گئی ہے
کہ خدا مادہ سے مجرد اور غیر مادی ہے۔ ذات کو توڑنا۔ موڑنا مادی اشیاء
کے ساتھ مخصوص رہا۔ یہ کہ ہم ذات خاص سے موجود اشیاء کو
بطور استفاضہ یا افعال سمجھ لیتے ہیں۔ اِسکا ثبوت معلوم ہو جاویگا۔

غیر مادی سے مادی کا نکلنا ہم بھی محال سمجھتے ہیں۔ اور اس سے مضمون
نگار مہاشہ جی کا یہ خیال اخذ کیا جاتا ہے۔ کہ خدا غیر مادی ہے۔ جسکو

ہم بھی مانتے ہیں۔ لیکن یہ بات کہ تمام مخلوق غیر مادی خدا سے نکلی ہو غلط ہے۔ اور اسی بنا پر آریہ مسافر کو اسلام کے خیالات سے دھوکھہ ہوا ہے۔ اسلام ہرگز یہ بات نہیں مانتا۔ کہ خدا ہر ایک چیز کا مسبا رو معدن ہے۔ البتہ خدا ایک ایسی قوت ہے۔ جو تمام عالم کا علت فاعلی ہے اور ہر چیز کی انتہا اُسی پر ہوتی ہے۔ جس طرح تغیرات عوارض سے انسان کی کیفیت بدلتی رہتی ہے۔ اور اُسپر مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں اُسی طرح خدا کی قدرت۔ مختلف کیفیات کا منبع اور اصول اولیہ کا سرچشمہ ہے۔

خارج میں بہت سی اسکی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ جس طرح کہ مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتا ہے۔ رعب حسن دل میں خوف کر دیتا ہے۔ اور حاکم کا حکم جسم پر لرزہ ڈال دیتا ہے۔ انسان جب اپنے ارادے میں قوت اور حرکت پیدا کر سکتا ہے۔ تو وہ اصل مادے کو پیدا کرنے سے کیوں قاصر ہے۔

جواب۔ مولوی صاحب یہ بھی آپ کا دعویٰ ہی ہے کہ جو چیزیں غیر مادی ہوتی ہیں انکی تاثیرات اور افعال ہیں جو قوت خرچ آتی ہے وہ حصص بٹنے سے نہیں ہوتی۔ بلکہ بطور استفادہ کے اسکا وجود ہوتا ہے۔ نیچر کے اندر کوئی مثال ہمکو اس قسم کی نظر نہیں آتی۔ جہاں ایک چیز جیسی کی ویسی بھی رہے۔ اور پھر اس کے اثر سے ایک دوسری چیز بھی پیدا ہو جاوے۔ دوم ہم ایک اصول یہ بھی دیکھتے ہیں۔ کہ مادی اشیار سے استفاضہ مادی اشیار کا ہوتا ہے۔ نہ کہ غیر مادی اشیار کا۔ یا یوں کہو کہ بے جان مادے سے بے جان مادی چیز کا استفاضہ ہو سکتا ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ غیر مادی (مراد ارواح و پرمیشور) اشیار سے اگر کوئی چیز نکل سکتی ہے۔ تو وہ بھی غیر مادی ہی رہے گی۔

یہ بات ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ مفردات سے اگر کوئی چیز بنائی جاوے۔ تو مفردات کی شکل بدل جاوے گی۔ مگر نوعیت میں فرق نہیں آویگا۔ ہاں جب ایک عنصر کے ساتھ کوئی اور عنصر مل جاوے۔ تو اس صورت میں اسکی نوعیّت اور ہیئت دونوں میں فرق پیدا ہوگا جب آپ غیر مادی چیز سے مادی چیز کا نکلنا محال مانتے ہیں۔ تو یہ تمام دنیا کہاں سے نکلی۔ مولوی صاحب تنہائی میں بیٹھ کر سوچیں۔ ہٹ دھرمی مت کریں۔ مرنے پر خدا کو اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ کہ جب غیر مادی چیز سے مادی چیز نہیں نکل سکتی تو یہ تمام عالم کیونکر ظہور پذیر ہوا۔ کیونکہ آپکے عقیدہ آفرینش میں سوائے اس ذات پاک کے اور نہ کوئی دوسری ذات مثل مادہ روح کے موجود نہ تھی۔ اگر کہو کہ اسکی قوت یا ارادہ بدل کر دنیا بن گئی۔ تو مہربانی فرماکر کسی انگریزی منطق کی کتاب کا مطالعہ فرمائیے۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو جاوے کہ صفت یا حالت موصوف سے کوئی الگ ہستی نہیں ہوتی۔ اور یہی کلیہ ہم نے اپنے مضمون کی خاتمہ پر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

Elementary lessons in Logic by Stanley Jevons L.L.D. M.A.F.R.S Page 20. But though we can think of a quantity by itself, we can not suppose that the quality can exist physically apart from the matter in which it is manifest to us. Redness means either a notion in the mind or it means that in red object which excites the notion.

ترجمہ - لیکن اگرچہ ہم ایک صفت کا (بذات خود) خیال کر سکتے ہیں لیکن اس صفت کو اس وجود سے علیحدہ جسمانی طور پر فرض نہیں کر سکتے - جس وجود میں کہ وہ صفت پائی جاتی ہے - سُرخی کے معنی صرف ایک notion (زعم یا خیال) کے ہیں - یا سُرخ چیز کا وہ حصہ جو سُرخی کے خیال کو پیدا کرتا ہے۔

آپنے مقناطیس اور رعب حُسن کی مثال دی ہے - جو یہاں پر عائد نہیں آسکتی - مقناطیس کی کشش کی طاقت کے متعلق اگرچہ سائنس دان کسی پختہ نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے - مگر ہمارا خیال ہے - کہ وہ ایک چیز ہے - کیونکہ اکثر دیکھا جاتا ہے - کہ کچھ عرصہ کے بعد بعض مقناطیس کی طاقت زائل ہو جاتی ہے۔

رہا رعب حسن ہمیں بھی آپکو دہوکا ہوا - موجودہ تحقیقات سائنس یہ بتلاتی ہے کہ ہر انسان اور حیوان کے جسم میں ایک روغن مادہ ہے - جسکو انگریزی زبان میں Aura اورا کہتے ہیں وہ اورا ہر جاندار کے جسم سے نکل کر دوسرے جاندار کے جسم پر اثر ڈالتا ہے - جسکا اورا زبردست ہوتا ہے اس کا رعب دوسرے پر پڑتا ہے - مسمریزم کی تمام بنیاد اسی اصول پر ہے - ہم نہیں سمجھتے آپ یہ کہاں سے بنیتی ہے منتی ہوگئی ہمکو مسمریزم کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ عامل کسی مریض کا علاج بذریعہ مسمریزم کرنے کے بعد بہت کمزور ہو جاتا ہے وجہ کیا ہے - وجہ یہ ہے کہ اسکی جسم کی بہت سی طاقت اس اورا کے نکلنے سے کم ہو جاتی ہے - اگر آپکو ہماری تحریر پر اعتبار نہ ہو - تو صوفی امبا پرشاد کی زندہ کرامات خرید کر پڑھو - ہمارے قول کی اسکے مطالعہ سے تصدیق ہو جاویگی۔

تغیرات عوارض سے انسانی جسم کی حالت بدلتی ہے - روح وغیرہ پر ان

تغیرات کا کچھ اثر نہیں ہوتا - بیشک خدا کی قدرت سے یہ جملہ اشیا ظہور پذیر ہوتی ہیں مگر یہ کہنا کہ یہ تمام اشیا نیستی سے ہست ہو گئیں بالکل غلط ہے - چونکہ تجربہ اور مشاہدہ میں کبھی نیست سے ہست نہیں آیا - اس لئے انسان اصل مادہ کو پیدا کرنے سے قاصر ہے -

مولوی اول تو نظیر سے قاعدہ کا استخراج آپکی خوش عقلی پر دال ہے دوسرے غیر مادی کے لئے مادی چیزوں کا مثالاً پیش کرنا بھی کچھ کم عقلمندی نہیں - آکسیجن چونکہ ایک مفرد عنصر ہے - اس لئے اُس سے کوئی چیز نہیں نکل سکتی - اور نہ اس میں کوئی خاص ایسی قوت ہے - جس کے ذریعے سے وہ وجود بخش اشیا ہو - کیونکہ مفرد وہ چیز ہے - جس کی تقسیم نہ ہو سکے - اور اُس کے اجزا لاتجزی نہ ہوں - یا وے چیزیں ہمیشہ دوسری چیزوں سے ترکیب پاکر وجود حاصل کرتی ہیں - لیکن غیر مادی علت فاعلی کے لئے یہ قاعدہ ضروری نہیں - کیونکہ وہ مادے کے خواص سے مُبرا و منزا ہے -

جواب الجواب - نظیر سے قاعدہ کا استخراج کرنا ہماری خوش عقلی پر دال نہیں - بلکہ اس کے نہ سمجھنے سے آپ کی کم فہمی ثابت ہوتی ہے - آپکو معلوم نہیں کہ منطق قیاسی Inductive Logic میں صرف ایک مثال ہی سے نتیجہ برآمد کیا جاتا ہے - مگر ہم عرض کرتے ہیں - کہ یہ اصول صرف ایک ہی چیز پر نہیں عائد ہوتا - بلکہ تمام مفردات پر حاوی ہے - سونے - تانبے - پارے - گندھک - فاسفورس وغیرہ کسی عنصر کو لیجئے - یہ قاعدہ ان سب پر حاوی ہوتا ہوا نظر آویگا - ایک عنصر سے کوئی دوسری چیز یا عنصر بغیر آمیزش کے پیدا نہیں ہو سکتا - خواہ اسکو کتنا - موڑا - توڑا یا اُس پر منتر پھونکا جاوے - ایک عنصر سے کوئی دوسرا عنصر تلاش کرنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے آفتاب کو [illegible]

کوشش کرنا۔ سُرخ رنگ سے سیاہ رنگ نکالنا۔ بلحاظ ایک رس ہونے کے مادی اور غیر مادی اشیاء برابر ہیں۔ اور اسکی تشریح ہمنے اپنے کلیہ میں کر دی ہے۔ جہاں یہ لکھا ہے۔ کہ ذات باری پر بھی یہی اصول حاوی ہوگا۔ کیونکہ وہ ایک رس ہونے کی وجہ سے عنصرات کے ساتھ لگا کھاتا ہے۔ مثلاً جیسا ہم نے اپنے چیلنج میں عرض کیا کہ سونے۔ فاسفورس۔ تانبے۔ آکسیجن یا ہائیڈروجن وغیرہ عنصرات کے کل مجموعے میں جو خواص پائے جائیں گے۔ وہی اس کے ایک ذرے میں بھی بلحاظ اسکی جسامت اور حجم کے پائے جاوینگے۔ ایک اور مثال لیجئے۔ جو ذات باری کے ساتھ لگا کھاتی ہے۔ ذات باری ایک رس اور ہر جگہ موجود ہے۔ پس بموجب کلیہ نمبر ا کے (اگرچہ وہ غیر مادی ہستی ہے مگر پھر بھی وہ ہستی ہے۔ محض فرضی وجود نہیں) جو اوصاف ذات باری کی کل ذات میں پائے جاویں گے۔ وہ ضرور بالضرور اس کے ایک حصے میں بھی بلحاظ اسکی جسامت کے پائے جاوینگے۔ جیسے پانی دو ہواؤں سے مرکب ہے۔ اور انہیں دو و سولہ کی نسبت ہوتی ہے۔ پس یہ نسبت ہر صورت میں قائم رہیگی۔ خواہ پانی کا کوئی بڑا سمندر ہو یا ایک قطرہ۔ رہا یہ امر کہ آکسیجن کی مثال اسوجہ سے پرمیشور پر عاید نہیں ہوسکتی۔ کہ وہ کوئی وجود مجسم طاقت نہیں۔ اس کے متعلق عرض کیا جاتا ہے کہ وجود بخش ہونے سے آپکی کیا مراد ہے۔ اگر یہ مراد ہو کہ خداوند نیستی سے ہستی کر سکتا ہے۔ تو یہ امر ابھی زیر بحث ہے۔ اور زیر بحث امر کی سند بحث میں پیش نہیں ہو سکتی۔ اور اگر وجود بخش کے ہونے سے آپ وہی مراد لیتے ہوں۔ جو ہم لوگ لیتے ہیں۔ تو اس صورت میں ہمارا دعویٰ سچا ہوگیا۔ سب مادی اشیاء دوسروں سے ترکیب پاکر وجود حاصل نہیں کرتیں۔ عنصرات اس قاعدے سے مستثنےٰ ہیں کیونکہ سب سائنس دان ایسا مانتے ہیں۔ آپکا یہ فرمانا کہ غیر مادی خدا کے

واسطے یہ قاعدہ ضروری نہیں۔ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ کسی مستند منطق کی کتاب میں ایسا درج نہیں۔

مولوی۔ مہاشے جی۔ خدا کی قوت ایسی جامع اور زبردست ہے۔ جس سے اشیاء کا استفاضہ ہونا ہر طرح سے ممکن ہے۔ مثال میں ان چیزوں کا وجود کافی ہے۔ جو محسوسات سے نہیں۔ لیکن ان کا وجود نہایت ظاہر ہے جیسے آفتاب کی روشنی کا انعکاس جو رنگدار چیزوں پر نہایت صاف نظر آتا ہے۔ زمین پر جو روشنی آفتاب کے ذریعہ سے پہونچتی ہے۔ وہ حصہ آفتاب نہیں۔ اور نہ اس روشنی سے آفتاب ٹکڑے ہوجاتا ہے۔ بلکہ نور کا فیضان آفتاب کی جنس سے ہوتا ہے۔ پس خدا کا فیضان بھی اسی طرح ہے۔ جو اشیاء پر پڑتا اور ان کو وجود بخشتا ہے۔

جواب الجواب۔ مولوی صاحب جو آپ نے روشنی کی مثال پیش کی ہے۔ یہ غلط ہے۔ کیونکہ موجودہ تحقیقات یہ ہے۔ کہ روشنی بذات خود کچھ چیز نہیں لیکن مادے کی ایک حالت کا نام ہے۔ جو روشنی آفتاب سے نکلکر ہم تک پہنچتی ہے۔ وہ وزن رکھتی ہے۔ اور اس لئے حال کے سائنس والوں کا یہ خیال ہے۔ کہ کسی دن آفتاب روشنی دینے کے لئے قابل نہیں رہیگا شاید آپ ہم سے روشنی کے وزنی ہونے کی بابت ثبوت طلب کریں سو ملاحظہ ہو اخبار Progress ستمبر ۱۹۰۹ء جس میں یہ مضمون درج ہے
Sun light can be weighed.

یعنی سورج کی روشنی وزن کیجا سکتی ہے۔ اور جس میں صاف طور پر درج ہے کہ ایک سائنس دان نے ایسا آلہ ایجاد کیا ہے۔ جس سے سورج کی روشنی تولی جاسکتی ہے۔ چنانچہ اس نے اندازہ لگایا ہے۔ کہ زمین پر سورج کی روشنی کا بوجھ ... ۷۰ ٹن کے قریب ہے۔ آپنے بیہودہ وقت سیاہ کرنے کا الزام لگایا تھا۔ مگر آپ خود ہی انصاف کریں۔ کہ آیا ہم نے بیفائدہ وقت سیاہ

گیئے۔ یا آپنے۔

مولوی قدرت بشیت۔ اور قوت ارادی ممکن الوقوع چیزوں کا نام ہے جو نہ صفت ہیں نہ موصوف ہیں۔ بلکہ صفاتِ خدا میں داخل اور اُسی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اِسپر آپ کا کیا اعتراض ہے۔ قدرت قوت ارادی ہر جو ہر وقت بالقوہ اور بالتفصیل ہونے کی قابلیت رکھتی ہے۔ اور جسکے ذریعے سے ممکن الوقوع چیزیں وجود حاصل کرتی ہیں۔ اور اس قسم کے حصول سے اُس ذات خاص کے حصص ہیں سے جو قابل تجزیہ نہیں ہے کچھ کم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ بدستور جوں کا توں باقی رہتا ہے۔ اور جو چیزیں قدرت کے ذریعہ سے وجود حاصل کرتی ہیں۔ وہ خدا کے اظلال ہیں (ناظرین مولوی صاحب کی دلیل کی پختگی پر خیال فرمانا۔ محض موٹے موٹے لفظ استعمال کرنے سے یہ اپنا دعویٰ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

جواب الجواب۔ مولوی صاحب۔ خدا کی قسم آپ منطق میں اُستاد کامل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آپنے اپنے مضمون کے شروع میں اپنے منطق دان ہونیکا بڑے زور سے دعویٰ کیا ہے۔ آپ فرمائیں تو سہی۔ کہ جو چیز صفت بھی نہیں اور موصوف بھی نہیں۔ اسکو اصطلاح منطق میں آپ کیا کہینگے اب آپ ایک نئی منطق کی کتاب تصنیف کریں۔ اور اس میں ایک من گھڑت اصطلاح اپنی طرف سے ڈال دیویں۔ تو بیشک آپ کا فرمانا درست ہو جاویگا۔ ورنہ موجودہ کتب منطق کے اندر صفت کو صفت اور موصوف دونوں سے کوئی الگ وجود قرار نہیں دیا گیا۔ منطق میں دو طرح کی اصطلاحیں ہیں۔

Abstract صفت Concrete موصوف

آپنے مانتے ہیں کہ قدرت ممکن الوقوع چیزوں کا نام ہے۔ اسپر ہمارا یہ سوال ہے۔ کہ جن چیزوں (مراد عنصرات) کو آپ ممکن الوقوع قرار دیتے ہیں۔ وہ واقعی ممکن الوقوع ہیں بھی یا نہیں۔ اگر وہ (مراد روح و مادہ)

ممکن الوقوع یا ممکن الپیدائش ہیں - تو اب بار ثبوت آپکے ذمہ ٹھیرا ہے آپ ان کا علم کیمیا کے روسے پیدا ہونا ثابت کریں محض آپکے لکھنے سے وہ پیدا شدہ نہیں ٹھیر سکتے - یہ وہ مثال ہے جیسے کوئی کہے دو اور دو پانچ ہوتے ہیں جو تجربہ اور مشاہدہ اور دلیل کے بالکل برخلاف ہو - پس ایسے مدعی کا فرض ہے - کہ وہ (چونکہ اس نے یہ انوکھا دعوے کیا ہی) اسکو دلیل اور تجربہ سے ثابت کرے - ورنہ اسکا یہ دعوے عقلا کے نزدیک ناقابل تسلیم ہوگا -

آپ مانتے ہیں کہ یہ قوت ارادی یا قدرت خدا کی ذات میں داخل اور وابستہ ہے - نہ معلوم آپ قدرت کے کیا معنی سمجھتے ہیں جب وہ اسکی ذات میں وابستہ ہی - وہ کبھی اس سے الگ نہیں ہو سکتی - اور نہ وہ تبدیل ہو کر کسی ہستی کی صورت میں نمایاں ہو سکتی ہے - تا وقتیکہ خدا کی اپنی ذات یا ہستی کسی طرح تبدیل نہ ہو - مثلاً برف کو لیجئے - برف کے اندر دو اوصاف ہیں - ایک اسکی ٹھنڈک اور دوسری اسکی سفیدی اگر آپ یہ کوشش کریں کہ برف کی سفیدی اور ٹھنڈک بغیر کچھ حصہ برف کا لینے کے بدل کر کوئی اور ہستی یا چیز بن جاوے - تو یہ امر بالکل ناممکن ہے - اور

ایسا نہیں مانتے - آپ لکھیں گے کہ غیر مادی چیز کی مثال دے رہے ہو - جو یہاں پر عاید نہیں ہو سکتی - مگر ہم اس کے متعلق پہلے کافی بحث کر چکے ہیں - کہ ایک الفش ہی جیو - ایشور اور پرکرتی تینوں برابر ہونے کی وجہ سے یہ مثال یہاں عاید ہو سکتی ہے - مگر آپکی تسلی کے لئے ایک اور مثال پیش کرتے ہیں - روح ایک غیر مادی ہستی ہے ہم سب اسکو تسلیم کرتے ہیں - روح ایک جسم کے اندر مقید ہے - اور وہ ارادہ کرتی ہے - کہ وہ ایک کرسی تیار کرے - مولوی صاحب آپ انصاف فرماویں آیا وہ بغیر کسی مصالح اور اوزار کے موجودگی کے محض اپنے بنانے کی

قوت (ارادہ وغیرہ) سے کبھی مذکورہ تیار کر لیوے گی ہم کہیں گے
ہرگز نہیں۔ آج تک ہم نے ایسا ہوتے نہیں دیکھا۔ پس خدا کی محض
قوت ارادی بھی بغیر کسی مصالحہ کے ویسی ہی بیکار ہے جیسی ایک روح
کی قوت ارادی۔ گو نوعیت میں دونوں قریباً برابر ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے
کہ خدا ایک مہان آتما ہے۔ اور روح خورد آتما۔ مگر دونوں (غیر مادی ہستی)
دونوں ضرور ہیں۔ پس جب ایک حالت میں یہ امر ناممکن الوقوع ہے تو
دوسری صورت میں آپ کس اصول سے اسکو ممکن الوقوع قرار دیتے ہیں
آپکا یہ فرمانا کہ وہ قوت ہر صورت میں بالفعل ہونیکی قابلیت رکھتی ہے اور
اس قسم کے حصول سے اسکی ذات میں سے کچھ کم نہیں ہو جاتا ہے۔ وغیرہ
وغیرہ۔ یہ سب محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اسکے واسطے آپنے کوئی ثبوت
پیش نہیں کیا۔

مولوی: آنچہ دانا کند کند ناداں۔ لیک بعد از خرابی بسیار۔ لالہ
صاحب یہ کون کہتا تھا کہ آپ قدرت کو دوسرا وجود فرض کر لیویں جس طرح
مادہ اور روح کو فرض کر رکھا ہے۔ پرمیشور کی قدرت عین ذات اور مخصوص
بواجب الوجود ہے۔

جواب الجواب: مولوی صاحب! جب مولوی صاحبان کو کوئی دلیل جواب
نہیں سوجھتا۔ تو وہ زندہ دلی سے کام لینا شروع کرتے ہیں۔ اور بے موقع
اور بے محل شعر سنا دیا کرتے ہیں۔ یہ شعر تو دراصل آپ پر صادق آتا ہے
کیونکہ آپ خود تسلیم کر چکے ہیں کہ غیر مادی چیز سے مادی چیز نہیں نکل سکتی
اور قدرت کوئی الگ ہستی بھی نہیں ہے۔ بلکہ وہ خدا کے ساتھ وابستہ ہے
اور عدم محض سے بھی کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی ہے۔ تو پھر یہ تمام دنیا کہاں
سے تیار کیا گیا ہے۔ اسی لئے تو اکثر صوفی منشوں نے چکرا کر لکھ دیا۔ کہ
جب اول اور آخر سوائے تیری ذات کے اور کوئی ذات نہیں تھی۔ تو یہ تمام

عالم کہاں سے پیدا ہو گیا۔

مولوی۔ اگر مہاشے جی آپکو علم منطق و فلسفہ سے واقفیت ہے۔ تو عدم محض اور عدم ملکہ کی بحث پر نظر ڈالئے۔ اور دیکھئے کہ نیستی کے کیا معنی ہیں۔ اور نیست و نفی میں کیا فرق ہے۔ افسوس جن لوگوں کو نیست و نفی کا فرق معلوم نہیں۔ وہ مدعی فلسفہ و منطق ہیں۔

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز
کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا،

معمولی طور پر لکھ پڑھ لینا اور بات ہے۔ اور علوم مشرقی سے واقفیت دوسری چیز اجتماع ضدین کے معنی اصطلاح فلسفہ میں یہ ہیں کہ وہ دو چیزیں جو متقابلتاً ایک دوسرے کی ضد ہوں کسی فرد واحد میں ایک ہی وقت ایک ہی حیثیت سے اکٹھی پائی جاویں۔ اب ہم مہاشے جی سے دریافت کرتے ہیں کہ نیست کیا خدا کی ذات میں داخل اور اسکی صفت ہے جسکی وجہ سے وہ صفت ہست پر بوجہ محال اجتماع اضداد کے قادر نہیں۔ میاں لالہ (مولوی صاحب کی تہذیب دیکھئے) خدا کے اوصاف عارضی نہیں ہوتے۔ بلکہ جس قدر اوصاف کی اسکی ذات کے لئے ضرورت ہے۔ وہ سب ذاتی ہیں۔ عارضی اوصاف خدا کی ذات کے منافی ہیں۔ اس مسلم کلیہ سے نیستی ہستی کے اجتماع اضداد کا حال آپ پر اچھی طرح روشن ہو جاویگا۔ بشرطیکہ آپ اپنی ذاتی لیاقت بھی اس حد تک رکھتے ہوں جس سے ان مسائل پر روشنی ڈالی جا سکے۔

جواب الجواب۔ آپ نے ہم پر طعنہ کیا ہے کہ ہم علم منطق اور فلسفہ سے ناواقف ہیں مگر تعجب ہی کہ باوجود مدعی فلسفہ و منطق ہونے کے آپ خود قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ آپکی تو وہی مثل ہے۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔

ہمنے اپنے مضمون میں سوائے عدم محض کے کسی اور عدم کا ذکر نہیں کیا۔ جہاں کہیں ہم نے نیستی سے ہستی لکھی۔ ہماری مراد عدم محض سے وجود میں آنے سے تھی آپنے ہماری دلیل کو بالکل نہیں سمجھا۔ اور اس لئے جھٹ ایک بے موقعہ شعر جواب میں لکھ دیا۔ مگر ہم اس شعر کو شکریہ کے ساتھ واپس کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ آپنے ہمارا مضمون سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ ہم نے عرض کیا تھا کہ کسی چیز کی حالت دو طرح سے تبدیل ہو سکتی ہے۔ اول یک لخت اور دوم آہستہ آہستہ پس نیست سے ہست ہونا بھی ان دو صورتوں سے خالی نہیں۔ مگر خواہ کوئی حالت ہو۔ ہر حالت میں اجتماع ضدین لازمی امر ہوگا۔ کیونکہ جب پہلے صرف نیستی ہی نیستی تھی۔ تو جس لمحہ وہ نیستی سے ہستی ہوگی۔ اسوقت نیستی اور ہستی کا ملاپ ہوگا۔ یا علم حساب کی رو سے ایک ہی ہستی جو پہلے منفی تھی۔ وہ ایک ہی وقت میں منفی اور مثبت دونو ہوگی۔ جو از روئے منطق محال ہے۔

اسکو ذرا اور وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔ فرض کرو کہ ہم نیستی کو - س سے تعبیر کرتے ہیں۔ تو ہستی کو + س سے ظاہر کریں گے پس جس لمحہ (- س) (+ س) ہوگا۔ اسوقت ایک لمحہ ایسا ہوگا کہ ایک ہی ہستی نفی اور مثبت دونوں خواص کی جائے قیام ہوگی۔ جو جیسا کہ آپ تسلیم کرتے ہیں محال ہے۔

باقی جو کچھ آپنے تحریر کیا ہے۔ وہ اصل مضمون سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا۔ ہم پرمیشور کے عارضی اوصاف نہیں مانتے۔ اور نہ نیست کو اسکی ذات میں داخل خیال کرتے ہیں ؛

مولوی۔ الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں + لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔ ناظرین مہاشے جی کی اس نرالی فلسفہ و منطق دانی کو ملاحظہ فرمایئے آپ لکھتے ہیں۔ کہ ایک عنصر سے صرف ایک ہی عنصر وجود حاصل ہو سکتا ہے

کیا خدا کوئی عنصر ہے جس سے صرف ایک ہی وجود وجود میں آسکتا ممکن ہو۔ اور دوسری چیز ناممکن۔ مثال تمثیل لہ کے مطابق ہونی چاہئے اس طرح گھبرا کر کاغذ سیاہ کرنا محض تضیع اوقات ہے۔ تحقیق مسئلہ نہیں۔ علاوہ ازیں یہ کلیہ اسوقت صحیح ہو سکتا۔ جبکہ قوتیں آپس میں متفرق ہوں۔ اور اضداد کا تعلق پایا جاتا ہو۔ اور جبکہ اشیاء وجود تخلیق ثانی خود اسی ہی کے دست قدرت سے وابستہ ہوں۔ تو تفریق مادہ کیسی۔ مادہ اور روح دو چیزیں ضرور ہیں۔ لیکن خدا نے اُن کو وہ وجود بخشا ہے جسکو قوائے سے تعبیر کیا جانا ممکن ہے۔ اور وہ صرف یہ قدرت کے بعض قوائے ہیں۔ کوئی علیحدہ چیز نہیں۔ البتہ ان سے ترکیب پائی ہوئی اشیاء عناصر کے اوصاف کو لئے ہوئے ہونگی۔ اور اُن سے نظام عالم کے افراد بمراتب ترقی پائے ہوئے ہونگے۔

جواب الجواب۔ مولوی صاحب۔ دلیل کی بجائے شعر درج کرنے سے آپ کا دعویٰ سچا نہیں ہو سکتا۔ آپنے پھر ہماری تحریر کو نہیں سمجھا ہمنے وہ الفاظ خدا کے متعلق استعمال نہیں کئے۔ بلکہ نیستی کے متعلق تحریر کئے ہیں۔ ہم نے یہ لکھا تھا کہ اگر نیستی سے ہستی کو مانا جاوے تو وہ پھر نیستی ہی نیستی رہیگی ہستی نہیں ہوگی۔ (جو اوصاف کُل میں پائے جاتے ہیں وہ اوصاف جزو میں بقدر جسامت وغیرہ کے پائے جانے چاہئیں) جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی ہست چیز نہ ملے۔ اسکے واسطے مثال یہ پیش کی تھی کہ ایک ہی عنصر سے ہم بغیر آمیزش کے کوئی دوسرا وجود حاصل نہیں کر سکتے۔ ہم آپکے اس فقرے کا مطلب نہیں سمجھے "یہ کلیہ اسوقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ قوتیں آپسمیں متفرق ہوں اور اضداد کا تعلق پایا جاتا ہو۔ اور جبکہ اشیاء وجود تخلیق ثانی خود اُس کے دست قدرت سے وابستہ ہوں۔ تو تفریق مادہ وروح کیسی۔"

باقی جو کچھ آپ نے لکھا ہے۔ وہ خالی دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ جبتک آپ کوئی دلیل ہتن نہ پیش کریں۔ آپ کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ محض قوت سے کوئی چیز کیونکر پیدا ہو سکتی ہے۔ آپ کونسا عالم کی بحث کی سمجھ ہے۔ ہمکو قاصر خیال کرتے ہیں۔ مگر ہمارا خیال یہ ہے کہ آپنے اب تک ذرا بھی اس مضمون پر غور نہیں کی۔ اور نہ آپ میں ہمکو اس قسم کا ملکہ نظر آتا ہے۔ ٥ تم الزام ہمکو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔

مولوی نیست سے ہست ہو سکتا ہے اور اسکی نظیریں دنیا میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ مگر چونکہ وہ غیر مادی ہیں۔ اس لئے محسوسات سے انکا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ وہ نظر آسکتی ہیں۔ البتہ بعض مثالیں عناصر میں ایسی اب بھی پائی جاتی ہیں جو نیست سے ہست ہوئیں اور ہست سے نیست بن گئیں جیسے کہ کانگڑے کے زلزلہ میں مخلوقات کا تباہ اور غرق ہو جانا۔ یا زمین کا غائب ہو جانا۔ بڑ ماجی کا پیدا ہونا۔ وغیرہ وغیرہ یہ مثالیں ایسی ہیں جن سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اور وہ حرکت جس سے کانگڑہ ہست سے نیست ہو گیا۔ یہ قدرت کا کام تھا۔ اس خصوص بحث کو ہم تمثیلاً آریہ کتب سے آگے چل کر ثابت کریں گے۔

جواب الجواب۔ ہم خدا کو علت فاعلی مانتے ہیں۔ اس سے انکار نہیں کرتے۔ اگر آپ بھی خدا کو ایسا ہی خیال کرتے ہیں۔ تو بس جھگڑا مٹے ہوا۔ اور جو کچھ آپ اور مانتے ہیں۔ وہ آپ نے اب تک ثابت نہیں کیا۔ ابتک تو آپ نے اپنی منطق دانی کا ہی ثبوت دیا تھا۔ مگر اب جغرافیہ دان بھی ہو گئے۔ سبحان اللہ آپکی تحقیقات پر۔ مولوی صاحب آپکو تو ضرور رائل جغرافیکل سوسائٹی کا پریذیڈنٹ بنانا چاہئے۔ ناظرین غور فرمائیے۔ مولوی صاحب کی دلیل پر۔ البتہ بعض مثالیں عناصر میں بھی (نیستی سے ہستی ہونے سے متعلق) پائی جاتی ہیں جو نیست سے ہست ہوئیں۔ اور ہست سے نیست ہوئیں۔ اور مثال

دیتے ہیں۔ جیسے کانگڑہ کے زلزلہ میں مخلوقات کا تباہ اور غرق ہو جانا یا زمین کا غائب ہو جانا۔ برہما کا پیدا ہو جانا۔ واہ مولوی صاحب اگر اسی کا نام نیست سے ہست ہونا ہے۔ اور اسکو آپ مانتے ہیں۔ تو اسلام کو ملانجلی دے دیجئے۔ کیونکہ یہاں تو صرف حالت تبدیل ہوئی ہے اور وہ اشیاء نظر سے غائب ہو گئی ہیں۔ مگر ہست سے نیست نہیں ہوئیں۔ شاید آپکے خیال میں اشیاء کا نظر سے غائب اور اوجھل ہو جانا ہی نیست سے ہست ہونا ہے۔ آپ تو ٹرین کو بھی جو تھوڑے منٹ میں نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ نیست ہوتا ہوا خیال کرتے ہونگے۔ مگر پھر نہ معلوم مسافر کیوں ہر روز صحیح وسلامت منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں۔ مولوی صاحب تھیوری تو آپکی کمال درجہ کی درست ہے۔ مگر شاید سمجھنے والوں کا ہی قصور ہوگا۔ یا لوگوں کو ان کے سمجھنے کا دھوکا ہوتا ہوگا۔ مولوی صاحب اپنی لیاقت پر اپنی ڈونگ مارتے تھے۔ تھے دو گھڑی سے شیخ چلی بگھارتے۔ اب انکی شیخی ساری اڑی دو گھڑی کے بعد مگر ہم آپکو یونہی نہیں جانے دیتے۔ آپکی تسلی کے لئے ایک محمدی مصنف کی تصنیف کردہ کتاب سے حوالہ نقل کرتے ہیں جس سے آپکو معلوم ہو جائیگا کہ اس طرح کی تبدیلی سے اشیاء نیست نہیں ہو جاتیں۔ ملاحظہ ہو جغرافیہ طبعی مصنفہ مولوی ذکاءاللہ صفحہ ۱۶۴ و ۱۶۶۔

مولوی صاحب مضمون نگار نے ہربرٹ سپنسر کی رائے تو ظاہر کی لیکن اس کا صحیح قول اور کتاب کا حوالہ نہیں دیا جس سے معلوم ہوتا ہے یہ قول محض سماعت پر مبنی ہے۔ جیسا کہ اکثر دیانندی سنی سنائی باتوں کو ثبوت میں نقل کر لینے کے عادی اور خوگر نظر آتے ہیں۔ اور ویدوں کے وجود پر سماعت ہی کو بذریعہ یقین سمجھا ہے (اس سے آگے مولوی صاحب نے ہربرٹ سپنسر کی کتاب فسٹ پرنسپلز سے وہ عبارت نقل کی ہے جس سے مادہ غیر فانی ثابت ہوتا ہے بخوف طوالت ہم اسکو نظر انداز کرتے ہیں) حکیم مہیشے

سپنسر کی اصل رائے کو تو ہم بھی فرضاً مانتے ہیں۔ کہ مادہ ضایع اور معدوم نہیں ہوسکتا۔ جس کا ضروری یہ نتیجہ نکلتا ہی۔ کہ جو اشیاء معدوم اور غائب نہیں ہوسکتیں۔ اور ان کا وجود خارج یا ذہن میں پایا جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ سے موجود اور آیندہ بھی ہمیشہ رہنے والی ہونگی۔ غرض یہ کہ مادہ قدیم اور غیر مخلوق ہے۔ لیکن تعجب ہے ہربرٹ سپنسر کے اس خیال پر کہ اس نے باوجود اس رائے میں کثیر نقائص اور کمزوری محسوس کرنے کے کیوں اسکو اپنا پختہ خیال دے لیا۔ کیونکہ اس صورت میں جبکہ مادہ اسکے نزدیک ناقابل فنا ہی۔ اور قدیم اور ازلی بھی۔ تو اس سے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہی کہ مادہ کی قدامت کی جاننے والے شخص یا انسان سے بالاتر اور قوی کوئی قوت موجود نہ ہو۔ اور ساتھ ہی یہ کہ اسکا علم یقین اور قابل وثوق ہو۔ نہ کہ ظنی اور ناقابل اعتبار اور یہ کہ وہ مادہ کی اصلی کیفیت سے کما حقہ وبتمامہ واقف ہو تاوقتیکہ ان باتوں کو لازمی نہ سمجھا جاویگا۔ مادہ کی قدامت کا خیال موہومی ہے۔ کیونکہ جبتک کوئی قوت ایسی موجود نہ ہو۔ جس سے بالاتر کوئی قوت نہو۔ یا اس کا علم یقینی وقابل وثوق نہ ہو۔ اور ساتھ ہی مادہ کی ترکیب وکیفیت معلوم نہ ہو۔ تو ہم ہرگز کسی طرح یہ نہیں کہ سکتے۔ کہ مادہ ناقابل فنا چیز ہے۔ اس لئے ہمکو ہربرٹ سپنسر کے کمزور خیال کی تردید کے لئے ان تین باتوں کو غلط یا خلاف واقعات ثابت کرنا ضرور ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ مادہ قابل فنا چیز ہے۔

(۲) انسانی علم کی پختگی اور کمالیت حواس خمسہ کی درستگی پر موقوف ہے جبتک انسان کے حواس خمسہ قایم وبجا رہیں گے۔ علم وفہم درست رہیگا اور جسوقت حواس میں نقص پیدا ہوجاویگا۔ علم غیر کامل ناقص اور غیر قابل یقین ہوگا۔

جواب الجواب۔ مولوی صاحب ہم ہرگز سماعی قول پر یقین نہیں لاتے جبتک ہم اسکو خود نہ پڑھ لیویں۔ جس اقتباس کا منشا ہمنے اپنے مضمون میں

درج کیا تھا۔ وہ جہاں تک ہم کو یاد پڑتا ہے۔ مدراس کے کرسچین پروگریس
میں لکھا تھا۔ افسوس ہے کہ اسکی مکمل فائل ہمارے پاس اسوقت موجود
نہیں۔ ورنہ ہم اصل عبارت درج رسالہ کرتے۔ ہم سچے دل سے کہتے ہیں کہ
اس میں ان دو ہستیوں کا ذکر تھا۔ ایک matter اور دوسری
Structure(?) force جس کو اس نے force اور force
لکھا تھا۔ مگر مذکورہ بالا حوالہ کے علاوہ اور بہت سے مقامات ہربرٹ
سپنسر کی کتب کے اندر موجود ہیں۔ جہاں پر اسنے صاف طور پر اپنی
consciousness (آتما) کے علاوہ دو اور ہستیوں کا بھی
ذکر کیا ہے۔ First Principles کے اندر ایک علیحدہ باب مادہ کی غیر فانی
ہونیکے متعلق ہے۔ جس میں فلاسفر موصوف نے واضح طور سے ثابت کیا ہے
کہ مادہ ایک بالکل ناقابل فنا ہستی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ فسٹ پرنسپلز مطبوعہ ۱۸۶۲
صفحہ ۲۳۳ سے ۲۴۵ تک۔ باقی رہی خدا کی ہستی اس کے متعلق وہ صاف
طور پر اقرار کرتا ہے۔ کہ گو ہم اس دیانت کو نہیں سمجھ سکتے۔ مگر اس ہستی کا ہونا
ضروری ہے۔ ملاحظہ ہو First principles chapter II

"We are obliged to regard every phenomenon as a manifestation of some power by which we are acted upon, phenomena being, so far as we can ascertain unlimited in their diffusion, we are obliged to regard this power as omnipresent & criticism teaches us that this power is wholly incomprehensible."

ترجمہ ہمیں مجبوراً ہر ایک ظہور کو کسی خاص طاقت کا ظہور ماننا پڑتا ہے جس کا کہ ہم پر عمل ہوتا ہے۔ اور وہ ظہور جہاں تک کہ ہماری تحقیقات جاتی ہے اپنی وسعت میں غیر محدود ہے۔ اور ہمیں مجبوراً اُس طاقت کو ہر جگہ موجود ماننا پڑتا ہے۔ اور تحقیقات یہ بتلاتی ہے۔ کہ یہ طاقت ایک بالکل ناقابل فہم ہستی ہے۔

پس مندرجہ بالا اقتباس کا وہی منشا ہے جو ہمنے درج کیا ہے۔ نہ معلوم مولوی صاحب آپنے بغیر فسٹ پرنسپلز کو پڑھنے کے یہ کیوں لکھہ دیا کہ ہمارا علم بالکل سماعت پر مبنی ہے۔

اِس سے آگے مولوی صاحبنے اپنے جواب میں تین امورات پر زور دیا ہے (۱) ہربرٹ سپنسر کا خیال کہ مادہ قدیم ہے غلط ہے (۲) چونکہ انسان کی ذات بالا تر نہیں اور اس کا علم ہمیشہ گھٹتا بڑہتا رہتا ہے۔ اِس لئے انسانی تحقیقات قابل اعتبار نہیں۔ (۳) انسانی علم کی پختگی اور کمالیت اس کے حواس کی درستگی پر موقوف ہے۔ اِس لئے حواس خمسہ میں نقص آجانیکی صورت میں اُس کا تجربہ اور پاس کردہ نتایج ناقص ٹھہرینگے۔

امر اول کے متعلق ہم اتنا عرض کرتے ہیں کہ ہربرٹ سپنسر نے مادہ کے غیر فانی ہونے کے متعلق ایک بڑی لبیط اور جامع بحث فسٹ پرنسپلز کے اندر کی ہے۔ اور یورپ کے تمام ودوان اِس تھیوری کو مانتے ہیں۔ اسکے برخلاف جہاں تک ہمارا علم ہے۔ یوروپ کے کسی سائینس دان نے آواز نہیں اُٹھائی۔ بلکہ وہ سب متفق البیان ہیں کہ مادہ جہاں تک ہم نے اسکو کیمیائی طریقہ سے چیر پھاڑ کر دیکھا۔ ایک ناقابل فنا ہستی ہے اور نیستی سے ہستی یا ہستی سے نیستی کا ہونا انسانی ذہن میں نہیں آسکتا۔

مولوی صاحب کسی اصول و امر کی تحقیقات کیواسطے تجربہ اور مشاہدہ سب سے اچھا طریقہ ہے۔ واضح رہے کہ ہمنے کائنات کے اندر جو کچھہ علم و تجربہ

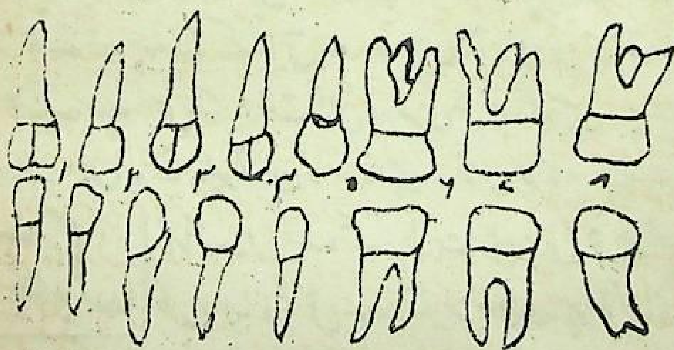
حاصل کرتا ہے۔ وہ انہی آلات کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔ جو کہ خداوند کریم
کی طرف سے ہمکو عطا ہوئے ہیں۔ پس اگر فرض کیا جائے کہ کسی خاص
امر کے متعلق ہماری تحقیقات صرف اسوجہ سے غلط ہے۔ کہ اس سے کسی
خاص ذات پر کوئی نقص وارد ہوتا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ انسانی تحقیقات
تمام کی تمام غلط قرار دیجانی چاہئے۔ کیونکہ جب یہ تحقیقات ایک خاص
ہستی کی خاطر غلط قرار دیجاتی ہے۔ تو یہ نتیجہ نکالنا بالکل درست ہوگا
کہ اسکی باقی تحقیقات میں بھی ضرور کوئی نہ کوئی غلطی ہوگی۔ اس صورت
میں کوئی انسانی تحقیقات بھی قابل یقین نہیں ٹھہرتی۔ تو اس صورت
میں کسی ایک امر تنقیح طلب کا بھی فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ اور معاملہ ویسے
کا ویسا ہی رہ جاتا ہے۔ مگر ہم دنیا میں مسائل کے حل کرنے کیواسطے
پیدا ہوئے ہیں نہ کہ ان کو لاحل چھوڑ دینے کے واسطے۔ اس صورت
میں اس مشکل کے دور کرنے کیواسطے ہمیں ضرور کوئی نہ کوئی راستہ
نکالنا پڑیگا۔ اور وہ راستہ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں۔ تجربہ اور مشاہدہ
ہے۔ جو بات ہمارے ہی نہیں (بلکہ) تمام صحیح الدماغ اور
سلیم العقل اشخاص کے تجربہ اور مشاہدے میں آکر درست ٹھہرتی ہے
وہ کسی صورت میں غلط قرار نہیں دیجا سکتی۔ مثلاً ۲ اور ۲ تمام دنیا
کے علماء اور عوام الناس کے تجربہ اور مشاہدے میں چار ٹھہرتے
ہیں۔ انکو تو پانچ یا تین کسی حالت میں جائز قرار دینا ممکن نہیں ہوسکتا
تو اس صورت میں ۲ اور ۲ کو چار ہی درست قرار دینا ہوگا۔ خواہ دنیا بھر
کے علم الہیات کے جاننے والے یہ دعویٰ کیوں نہ کریں۔ کہ اللہ تعالےٰ
دو اور دو کو پانچ کر سکتا ہے۔ ان ایسی صورت میں ہم ضرور کہیں گے کہ ایسے
Theologean کے دماغ میں نقص ہے۔ جو Truths
نہیں بلکہ absolute truths میں ان کو

تبدیل کرنا کسی ہستی کے امکان کے اندر نہیں ہے۔
مولوی صاحب آپ بہکے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ انسانی
حواس اور اسکے ذریعہ حاصل کردہ علم قابل وثوق نہیں اس لئے مادہ غیر
فانی نہیں۔ ہم پوچھتے ہیں۔ کہ جب اس روح کے ساتھ (جو بقول آپکے
خدا کی عطا کی ہوئی ہستی ہے) اس خدا کی ذات کو پا لینے اور اسکو جانکر
نجات حاصل کرتے ہیں تو خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کو جان لینا کونسی مشکل
امر رہا؟ خیال کیجئے ابتدائے آفرینش سے لیکر آج تک کس قدر علم برق۔
علم نباتات۔ جمادات۔ حیوانات۔ علم طبقات الارض۔ علم سیارگان و ستارگان
علم کیمیا وغیرہ وغیرہ میں تحقیقات ہوئی ہے۔ (وہ تحقیقات جو پہلے ہمارے
خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ اور اس تمام تحقیقات کے سہارے پر کیا کیا ہمارے
آرام و آسائش کی چیزیں ایجاد ہوئیں۔ کیا وے سب جدول پہلی پردہ غیب کے اندر نہیں تھے
کیا خدا کے سوا کسی اور انسان کو انکا علم تھا۔ آپ ضرور کہینگے ہرگز نہیں۔ اسپر
ہم جواب دیتے ہیں کہ جب انسان اتنی الجھے دقیق مسائل کی بابت تحقیقات کرنے میں
کامیاب ہوا ہے۔ تو اسکی روح اور مادہ کے متعلق تحقیقات بھی درست تحقیقات ہے۔ اور
ہم اسکو غلط قرار نہیں دے سکتے جبتک کہ وہ تجربہ اور مشاہدہ کے رو سے غلط ثابت
نہ ہو۔ مگر ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ آج تک روح اور مادے کا پیدا شدہ ہونا یا انکا
فنا ہونا بذریعہ تجربہ اور مشاہدہ ثابت نہیں ہوا۔ لہذا آپکا یہ فرض کرنا کہ مادے کی بناوٹ
کو سمجھنا انسانی عقل و علم سے بالاتر ہے۔ ایک بالکل غلط اور بیہودہ خیال ہے۔ یہ ان
لوگوں کا خیال ہو جن کے دماغ علم حق کی روشنی سے منور نہیں ہوتے۔ آپ اور چند سال
بعد دیکھینگے کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ آپکے ان فرضی مسائل کی تردید کر کے
ہم نے ایکدفعہ ایک مفصل تقریر مشن کالج میں ایک پادری صاحب کی تردید میں
کی تھی۔ اسکا جو نتیجہ اثر مسلمان طالب علموں پر ہوا۔ اسکو سامعین ہی جانتے
ہیں ۔ باقی آئندہ۔

راقم
رامداس ہسکل متوطن بھون از جالندھر شہر

اور ان کی جگہ زیادہ مضبوط اور بڑے بڑے دانت نکل آتے ہیں۔ انکی تعداد ۳۲ ہوتی ہے۔ سب سے پیچھے کے چار دانت جب تک آدمی جوان نہیں ہوتا۔ نہیں نکلتے ؛

دانتوں کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ سامنے کے تیز ہوتے تاکہ خوراک کو کاٹ سکیں۔ ان کے ساتھ کے نوک دار ہوتے ہیں۔ تاکہ چیرنے پھاڑنے کے کام آسکیں۔ ان کے بعد دو نوک دار۔ اور سب سے پیچھے ڈاڑھیں ہوتی ہیں۔ جن کی سطح اس لیئے ناہموار ہوتی ہے۔ کہ کھانے کو اچھی طرح چبا سکیں۔ اوپر کے جبڑے کی بڑی ڈاڑھوں کی تین تین جڑیں اس لئے ہوتی ہیں۔ کہ وہ سر میں مضبوطی سے جڑی ہوئی لٹکی رہیں۔ مگر نچلے جبڑوں کے دانتوں کی فقط دو ہی جڑیں ہوتی ہیں۔ اس سلئے وہ سیدھے کھڑے ہوتے ہیں ؛



دانت ہڈی سے بنا ہے۔ جو حصہ مسوڑے سے اوپر اٹھا ہوا ہے۔ اُس پر ایک قسم کا نہائت سخت اور صاف ایک خول ہے جس سے دانت گھسنے سے محفوظ رہتے ہیں۔ ہر ایک دانت میں خون کی رگیں ہیں۔ جس سے اُن کو خوراک پہنچتی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ احساس کے لیئے چھوٹی چھوٹی شریانیں بھی ہیں۔ جو ایک چھوٹے سے سوراخ کے ذریعے نیچے

کی طرف سے اُس میں داخل ہوتی ہیں۔ یہ شریانیں جب سوج جاتی ہیں۔ یا
انہیں ہوا لگ جاتی ہے۔ تو سخت تکلیف دیتی ہیں۔ جسے دانت کا درد
کہتے ہیں +

کھاتے وقت اوپر کے دانت ٹھہرے رہتے ہیں۔ اور فقط نیچے کے
دانت نیچے اوپر حرکت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جبڑے دائیں بائیں
طرف بھی حرکت کرتے ہیں۔ دانت کی حفاظت کے لئے انہیں صاف
رکھنا نہایت ضروری ہے۔ خوراک کے ریزے جو ان کے درازوں میں
اٹکے رہجاتے ہیں۔ وہ دانتوں کو ایسے کھا لیتے ہیں۔ جیسے زنگ لوہے
کو۔ کھانا یا پانی نہ تو بہت گرم نہ بہت سرد منہ میں ڈالنا چاہئے +

حیوانوں کے دانت ان کی خوراک کے عین مناسب ہوتے ہیں۔
شیر اور چیتے کا گذارہ گوشت پر ہے۔ اس لئے ان کے دانت مضبوط
اور پھاڑنیوالے ہوتے ہیں۔ گھوڑے اور گائے بیل کے دانت زیادہ
تر کاٹنے اور چبانے کے لایق ہوتے ہیں۔ آدمی کی خوراک ان سے
مختلف ہے۔ اُس کے دانت بھی دوسری طرح کے ہیں۔ پرندوں کے
دانت نہیں ہوتے۔ کیونکہ ان کا معدہ ہی دانتوں کا کام دیتا ہے +

تھوک

خوراک میں جب تک رطوبت ملی ہوئی نہ ہو اُسے اچھی
طرح چبانا مشکل ہے۔ اگر منہ خشک ہو تو کھانا ممکن نہیں
گالوں کے اندر اور زبان کے نیچے چھوٹی چھوٹی گدودیں ہیں جنہیں
تھوک بھرا رہتا ہے۔ اور حسب ضرورت نکلتا رہتا ہے۔ جب کھانا نہ
کھایا جاتا ہو تو یہ تھوک تھوڑی تھوڑی مقدار میں اور کھانے کے
وقت بہت مقدار میں نکلنے لگتا ہے۔ بلکہ مزے دار کھانے کی صورت
دیکھتے ہی بعض وقت رال ٹپکنے لگتی ہے +

خوراک

خوراک ایک نالی کے ذریعہ جسے حلق کہتے ہیں۔ معدے میں

اترتی ہے۔ یہ آپ سے آپ نیچے نہیں گر پڑتی۔ بلکہ حلق اُس کو نیچے اتارتا ہے۔ جس کی حرکت کچھ کچھ رینگنے والے کیڑے کی مشابہ ہوتی ہے +

معدہ کی صورت،

معدہ کسی قدر چمڑے کے تھیلے کی مانند ہے۔ جیسا کہ شکل ہذا میں [۱۷] سے ظاہر ہے اس کے دونوں طرف دو سوراخ ہیں۔ ایک خوراک اُترنے کے لیے دوسرا اُس کے باہر نکلنے کیلیے اس کی جگہ پیٹ کے اوپر کے حصے میں ہے۔

پیشتر اس کے کہ خوراک پرورش کے قابل ہو۔ اس کا خون کی صورت

میں تبدیل ہو جانا ضروری ہے۔ یہ تبدیلی معدے میں شروع ہوتی ہے
جونہی خوراک معدے میں داخل ہوتی ہے۔ معدہ اس پر ایک قسم کا
عرق ڈالتا ہے جسے پت یا صفرا کہتے ہیں۔ پت کی یہ خاصیت ہے
کہ وہ مختلف قسم کی خوراک کو تحلیل کر کے اسے ایک سیاہی مائل کانجی
میں تبدیل کر دیتی ہے جسے چائم کہتے ہیں۔ کچے پھل اور بعض اور
اشیاء بہت دیر میں تحلیل ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کے کھانے سے
پرہیز کرنا چاہئے۔ اگر خوراک منہ میں اچھی طرح چبائی نہیں جاتی تو اس
کے تحلیل ہونے میں بھی بہت دیر لگتی ہے۔ معدے میں ایک قسم کی لہردار
حرکت ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ جس سے پت خوراک کے ہر ایک حصے سے
خوب مل جاتا ہے۔ اور جوں جوں وہ خوراک کانجی یا چائم میں تبدیل
ہوتی جاتی ہے۔ انہیں انتڑیوں میں دھکیلتی رہتی ہے۔ اگر کسی وجہ سے
خوراک ہضم ہونے سے پہلے انتڑیوں میں چلی جاتی۔ تو اس سے بہت
نقصان ہوتا۔ پس اس شئے بچاؤ کے لئے سوراخ کے قریب ایک چھوٹا
سا دروازہ لگا ہوا ہے۔ جو ایسی خوراک کو جو ٹھیک طور پر ہضم نہیں
ہوتی۔ پیچھے لوٹا دیتا ہے۔ اور فقط چائم کو آگے گذرنے دیتا ہے ؛

جس طرح دیگچے میں پکنے کے لئے اگر تھوڑے تھوڑے چاول ڈالے جاویں
تو کبھی درستی سے نہیں پک سکتے۔ اسی طرح خوراک کے لئے بھی
ضروری ہے کہ ہر وقت نہ کھائی جائے۔ بلکہ ایک دفعہ جس قدر کھائی
جائے۔ جب تک وہ ہضم نہ ہو چکے۔ دوسری مرتبہ نہ کھانی چاہئے۔ جب
چائم معدے سے گذر جاتا ہے۔ تو انتڑیوں میں داخل ہوتا ہے۔ یہ
نل کے طور پر ہوتی ہیں۔ جن کی لنبائی ایک پورے جوان آدمی کے
اور اٹھارہ ہاتھ کے قریب ہوتی ہے۔ انتڑیاں جیسی کہ شکل مذکور
کے نمبر ۲ اور ۱۲ سے ظاہر ہے۔ لپٹی ہوئی ہیں۔ تاکہ تھوڑی سی جگہ

ہیں سما جاتی ہیں۔ حلق کی طرح ان میں بھی کیڑے کے رینگنے کی سی حرکت ہوتی ہے۔ جس سے وہ چائم کو آگے آگے دھکیلتی رہتی ہیں۔ جب یہ چائم گذرتا ہے۔ تو تین اور رقیق چیزیں اس سے مل جاتی ہیں۔ جگر جو دائیں طرف کو پھیپھڑے کے نیچے واقع ہے۔ ایک قسم کا زرد رنگ کا پانی مہیا کرتا ہے۔ جو بہت کڑوا ہوتا ہے۔ اسی کو پت یا صفرا کہتے ہیں۔ یہ جگر میں بھرا ہوتا ہے۔ اور حسب ضرورت نکلتا رہتا ہے۔ یہ انتڑیوں میں گرتا رہتا ہے۔ مگر ایک بیماری کی حالت میں جسے یرقان کہتے ہیں۔ یہ خون کے ساتھ مل جاتا ہے۔ جس سے آدمی کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ معدہ کے ٹھیک نیچے ایک اور گرہ سی ہے۔ جسے پنکریاس کہتے ہیں۔ اس میں سے لعاب کی مانند ایک قسم کا عرق نکلتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ خود انتڑیوں میں سے ایک اور قسم کا عرق نکل کر خوراک کے ساتھ ملتا جاتا ہے۔ انہیں تینوں عرقوں کے ذریعے سے خوراک تحلیل ہوتی اور چائم میں سے خوراک کے وہ اجزا جن سے انسان کے جسم کی پرورش ہوتی ہے۔ جدا کئے جاتے ہیں۔ اس کا نام چائیل یا کیلوس ہے۔ یہ چائیل جو دودھ کی مانند ہوتی ہے۔ دودھ پلانے والی رگوں میں جمع ہو کر ایک اور بڑی رگ میں جو گردن میں ہے۔ انڈیلی جاتی ہے۔ خوراک کا غیر ضروری حصہ پاخانہ کے ذریعے باہر خارج ہوتا ہے۔

خون

چائیل خون کے ساتھ مل جاتی ہے۔ اور رگوں کے ذریعہ دل میں جا پہنچتی ہے۔ خون بے شمار چھوٹے چھوٹے چپٹے اور گول روپیہ کے سے ذرات سے مرکب ہے۔ جو ایک قسم کے بے رنگ عرق میں تیرتے رہتے ہیں۔ خون کی سرخ رنگت انہیں ذرات کے سبب سے ہے۔ یہ لوہے اور بعض اور اشیا سے مل کر بنتی ہیں۔ خون میں اس قدر لوہا ہوتا ہے۔ کہ ایک دفعہ ایک آدمی

نے اپنے خون میں سے لوہا نکال کر اُس سے ایک چھوٹی سی انگوٹھی بنوالی۔ تلی کا مقام معدے کے بائیں طرف کو ہے۔ تپ آنے کے بعد بعض اوقات وہ اس قدر بڑی ہو جاتی ہے۔ کہ اُسے باہر سے محسوس کر سکتے ہیں۔ اس حالت میں وہ آسانی سے پھوٹ جاتی ہے۔ اور ذرا سی چوٹ لگنے سے آدمی مر جاتا ہے۔ خون کے ذرات اسی کے اندر رہتے ہیں ؛

دل سینے کی بائیں طرف۔ سینے کی ہڈی نیچے کی طرف واقعہ ہے۔ یہ آدمی کی مٹھی سے ذرا بڑا ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے ریشوں سے مرکب ہے۔ جو کپڑے کی مانند باہم اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اور اس طور سے اپنے اندر کی چیز کو آگے دھکیلتے جاتے ہیں۔ اس کے اندر چار خالی جگہیں ہوتی ہیں۔ یعنی دو دو طرف اور دو۔ جب سُرخ خون جسم کے اندر گذرتا ہوا ہر طرح کی غلاظتوں کو جمع کرتا چلا جاتا ہے۔ تو اُسکی رنگت سیاہی مائل ہو جاتی ہے۔ یہ سیاہ خون جائل سے آمیز ہو کر دل میں واپس آتا ہے۔ اور اوپر کے خانہ سے گذر کر ایک چھوٹے دروازے کے ذریعے نیچے کے سوراخ میں اتر جاتا ہے۔ تب دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اور جب دل سکڑتا ہے۔ تو یہ خون پھیپھڑوں میں دھکیلا جاتا ہے

پھیپھڑے دل کے دونوں طرف سینے کے بہت بڑے حصے کو گھیرے ہوئے ہیں۔ وہ کچھ کچھ سپنج کے مشابہ ہوتے ہیں۔ اور انہیں بے شمار چھوٹے چھوٹے ہوا کے گھر ہیں۔ انہیں گھروں میں ہوا سیاہ خون کو صاف کر کے اُسے سرخ بنا دیتی ہے۔ ہوا خون سے مل نہیں جاتی۔ بلکہ ان ہوا کے خانوں کا چمڑا اس قدر باریک ہے کہ ہوا اس میں سے اپنی تاثیر کر سکتی ہے ؛

ہوا کے درن (آکسیجن) جسے پر زندگی کا زیادہ تر دارومدار ہے ؛ یہ

پھیپھڑوں کے ان ہوا کے گھروں میں سیاہ خون میں سے فضلات کو
نکالکر اُسے سُرخ اور صاف بنا دیتی ہے - ہوا اور بخارات بھاپ جو ہمارے
سانس کے ذریعہ باہر نکلتی ہے۔ وہ ایسی ہی میلی ہوتی ہے۔ جیسے
برتنوں کے دھوئیکا پانی ۔

ہوا سانس لینے کی نلی کے ذریعہ سے جو حلقوم میں سامنے کی طرف
ہے - پھیپھڑے کے اندر باہر آتی جاتی رہتی ہے۔ اس غرض سے کہ خوراک
سانس کی نلی میں نہ چلی جائے۔ ایک چھوٹا سا دروازہ لگا ہوا ہے جو خوراک
کے نگلنے کے وقت بند ہو جاتا ہے۔ اگر خوراک کا کوئی ریزہ سانس کی نلی میں
گر جائے۔ تو پھیپھڑے سکڑ کر ہوا کو نلی میں سے دھکیلتے ہیں۔ تاکہ وہ ریزہ
باہر نکل جائے۔ اسی کو کھانسی کہتے ہیں ۔

خون جب پھیپھڑوں میں صاف ہو چکتا ہے۔ تو دل کے دوسرے گوشے
میں بھیجا جاتا ہے۔ جہاں سے وہ رگوں کے ذریعے جسم کے تمام حصوں
میں گھومتا ہے۔ دو قسم کی نالیاں ہیں۔ جو خون کو جسم کے ہر حصے میں
لے جاتی ہیں۔ اُن کو رگیں یا آرٹریز اور نسیں یا وینز کہتے ہیں -
یہ رگیں موت کے بعد بالکل خالی ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اس وقت دل
میں طاقت نہیں رہتی کہ خون ان میں بھر دے۔ یہ تین قسم کے چمڑے
کی تہوں سے مرکب ہیں۔ جو ربڑ کی مانند مضبوط اور لچکدار ہوتی
ہیں۔ اور اسی لچک کی وجہ سے وہ خون کے دوران میں مدد دیسکتی ہیں
ایک اور بڑی رگ ہے جو دل سے نکلتی ہے۔ اس کو شاہرگ کہتے
ہیں۔ یہ آگے بڑھکر چھوٹی چھوٹی رگوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اور
ایسی معلوم دیتی ہے۔ جیسے درخت کے تنے کے اوپر بہت سی شاخیں
اور چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں لگی ہوتی ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ رگیں بال سے
بھی زیادہ باریک ہو جاتی ہیں۔ اور اس طرح جسم کے ہر حصہ

میں پھیل جاتی ہیں ٭

دل کے دھڑکنے کی ہر ایک ضرب کے ساتھ خون رگوں میں دھکیلا جاتا ہے۔ جوکہ خون لینے کے لئے پہلے تو ذرا پھول جاتی ہیں۔ پھر سکڑ کر خون کو آگے دھکیل دیتی ہیں۔ بہت سی رگیں حفاظت کے خیال سے جسم کے بہت ہی اندر کی طرف رکھی گئی ہیں۔ اگر ان میں زخم لگے تو فوراً خون بہنے لگ جاتا ہے۔ ایک رگ کی حرکت کلائی میں انگو ٹھے کیطرف محسوس ہوا کرتی ہے۔ جسے نبض کہتے ہیں۔ صحت درست ہو تو نبض قریباً ستر بار فی منٹ حرکت کرتی ہے۔ بعض قسم کی بیماری میں مثلاً بخار کی حالت میں وہ اور بھی تیز چلتی ہے۔ اس سے مزاج کی بہت کچھ کیفیت معلوم ہو جاتی ہے ٭

رگوں کے باریک بال کے سے سرے نسوں کے باریک سروں سے جا ملتے ہیں۔ خون ان نسوں میں بہتے بہتے رفتہ رفتہ بڑی بڑی نسوں میں ہوتا ہوا آخر کار سب سے بڑی نس میں جا پہنچتا ہے۔ جو دل میں جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ نسیں برعکس رگوں کے اکثر جسم کی سطح کے بالکل قریب ہوتی ہیں۔ چنانچہ ہاتھ کی پشت پر صاف صاف دیکھی جا سکتی ہیں۔ خون نسوں میں رگوں کی نسبت زیادہ آہستہ آہستہ بہتا ہے۔ اور اگر اس میں زخم بھی لگ جائے۔ تو زیادہ نقصان نہیں ہوتا ٭

پھیپھڑوں سے لیکر تمام جسم میں خون کے بہنے کو دوران خون کہتے ہیں۔ اس دوران میں یہ جسم کو تر و تازہ خوراک پہنچاتا ہے۔ اور فضلات کو لے جاتا ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی آدمی بھٹی میں ایندھن ڈالتا جائے۔ اور ساتھ ہی راکھ بھی نکالتا جائے۔ جسم کا ہر حصہ خون سے بنتا ہے۔ یہی خون گوشت کو وہ اجزا دیتا ہے۔ جس سے کہ گوشت بنتا ہے اور چمڑے کو وہ اجزا جن سے چمڑا بنتا ہے۔ ہڈی کو وہ جن سے ہڈی بنتی ہے

آنکھ کے ڈھیلے کا سفید پردہ۔ آنکھ کے سامنے کی شفاف کھڑکی ہنچی اور آنسو سب اسی سے بنتے ہیں۔ یہاں تک کہ کان کی میل بھی اسی خون سے نکلتی ہے۔ بلکہ خود رگیں اور نسیں بھی جن سے خون بہتا ہے اسی سے بنتی ہیں +

سانس

کھانے پینے کے بغیر کئی دن تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ لیکن ہوا کے بغیر چند منٹ بھی زندہ رہنا محال ہے۔ اس دنیا میں پیدا ہوتے ہی سب سے پہلا کام ہوا کو اپنے اندر کھینچنا۔ اور سب سے آخری کام موت کے وقت کل ہوا کو باہر نکالدینا ہے مگر یہ دونوں باتیں اس عجیب وغریب مکان میں از خود ہوتی ہیں۔ چنانچہ سوتے ہوں یا جاگتے ہوا کی آمد و رفت کا سلسلہ ٹوٹنے نہیں پاتا یہ آکسیجن (ورن) ہوا ہے۔ جس پر زندگی کا دارومدار ہے۔ جو ہوا اندر جاتی ہے۔ اگر اس میں اس ہوا کی مقدار کم ہو۔ تو خون ٹھیک طور پر صاف نہیں ہوتا جسکی وجہ سے اندر فتور واقع ہو جاتا ہے +

جو ہوا باہر نکلتی ہے۔ مختلف خاصیت کی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ جسم کے اندر گردش کرنے کے سبب غلیظ ہو جاتی ہے۔ درخت اور پودے جب تک اس غلاظت کو جذب کر کے اس کی صفائی نہیں کرتے۔ یہ خراب رہتی ہے۔ اس لئے یہ انسان کے سب سے بڑے ہمدرد اور محافظ ہیں رات کے وقت سر اور منہ لپیٹ کر سونا بھی نقصان دہ ہے۔ کیونکہ جو ہوا جسم کے اندر سے باہر نکلتی ہے۔ بار بار وہی سانس کے ذریعہ اندر کھینچنی پڑتی ہے۔ اس لئے وہ خراب ہو جاتی ہے +

سانس لینے کے لئے نہ صرف یہی ضروری ہے۔ کہ باہر ارد گرد بہت سی صاف ہوا ہو۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے۔ کہ اس کی کافی مقدار جسم میں داخل ہوتی رہے۔ اور سیدھا رہنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ پھیپھڑے

دب کر ہوا اُن میں داخل نہ ہو۔ لکھنے یا کام کرنے کے وقت اسی لئے بہت آگے نہیں جھکنا چاہیے۔ بعض لوگ عبادت کے وقت جھک جاتے ہیں۔ اور سجدہ میں بہت دیر تک خمیدہ بیٹھے رہتے ہیں۔ جو بالکل نامناسب ہے۔ بیمار آدمی چونکہ تندرست کی نسبت ہوا کو جلدی غلیظ کر دیتا ہے۔ اس لئے اُس کے لئے صاف ہوا کی زیادہ ضرورت ہے۔ بعض گندی اور سڑنے والی اشیا بھی آس پاس نہ ہونی چاہئیں۔ خاصکر جب یہ پینے کے پانی کے ساتھ مل جاتی ہیں۔ تو سخت نقصان پہنچاتی ہیں۔ بعض اقسام کے بخار انہیں سے پیدا ہوتے ہیں ؛

صحت جسم کے لئے ورزش و نیند بہت ضروری ہے۔ مگر ان سب سے زیادہ مفید سانسوں کی باقاعدہ رفتار ہے۔ کیونکہ چھوٹے چھوٹے سانس نہ تو مفید ہیں اور نہ کافی ہوا اندر پہنچاتے ہیں۔ اس لئے رفتہ رفتہ یہ عادت ڈالنی چاہیے۔ کہ ایک خاص انداز سے صاف و ستھری ہوا کی بہت بڑی مقدار اندر داخل کی جائے۔ اور ایک عرصہ تک اُسے اندر ہی روک لیا جائے۔ تاکہ وہ صفائی کا کام پورے زور سے کرے بعد ازاں اُس کو رفتہ رفتہ باہر نکال دیا جائے۔ اس عمل کو ویدک فلاسفی میں پرانایام کہتے ہیں۔ ورزش بھی اسی لئے مفید ہے کہ جلد جلد بہت زیادہ مقدار ہوا جسم میں داخل ہوتی ہے۔ ورزش اور پرانایام کی طرح نیند بھی بہت ضروری اور مفید ہے۔ کیونکہ جسم کے تمام پرزوں کے لئے آرام کی ضرورت ہے۔ کام کرنے میں جسم کے بعض حصے زائل ہوتے رہتے ہیں۔ اس نقصان کی تلافی زیادہ تر نیند کی حالت میں ہوتی ہے۔ نیند کا مقصد ہی یہ ہے۔ کہ کچھ عرصہ جسم کو کامل آرام دیا جائے۔ مگر یہ کام بھی پرانایام کے ذریعے بہت عمدگی سے پورا ہو جاتا ہے۔ اس کی مشق بڑھ جانے سے ہی کچھ عرصہ تک جسم کو آرام مل سکتا ہے ؛

گنبد یا تار گھر

ستونوں اور خاص مکان کے بعد اب اس کے گنبد کی سیر بھی ضروری ہے۔ کلکتہ بمبئی اور مدراس جیسے شہروں میں عظیم الشان تار گھر بنے ہوئے ہیں۔ جنکی اطراف میں تار لگے ہوئے ہیں۔ بجلی کے زور سے ان تاروں کے ذریعے ملک کے مختلف حصوں میں خبر بھیجی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اس مکان کا گنبد بھی تار گھر ہے۔ اس کا وہ حصہ جسمیں یہ تاریں ہیں۔ دماغ کہلاتا ہے۔ جو کہ سب سے زیادہ نرم چیز ہے۔ اس لئے اس کی حفاظت کے لیے پہلے تو کھوپڑی کی مضبوط ہڈی کی دیوار ہے۔ اور پھر اس پر چمڑے کی تین تین تہیں چڑھی ہوئی ہیں۔

دماغ کا بیرونی حصہ ایک قسم کی نرم سیاہی مائل چیز سے مرکب ہے۔ جو عجیب طور سے تہ بہ تہ لپٹی ہوئی ہے۔ اندر کی طرف اسی قسم کی سفید چیز ہے۔ دماغ میں ایک قسم کی لکیر یا شگاف ہے۔ جس سے وہ دو بڑے حصوں میں تقسیم ہوگیا ہے۔ ہر ایک حصہ کئی اور حصوں پر منقسم ہے۔ اوپر کے سارے حصہ کے نام انگریزی میں سریبرم یا (دماغ) ہے۔ اس کے نیچے سر کی پشت کی طرف کا حصہ سری بلم یعنی (دماغ خورد) کہلاتا ہے۔ جسامت کے لحاظ سے آدمی کا دماغ بہت زیادہ ہے۔ اور مقدار میں گھوڑے کے دماغ سے بڑھکر ہے۔ جوان آدمی میں اس کا وزن قریب ڈیڑھ سیر کے ہوتا ہے

اگرچہ دماغ سب قسم کی حسوں کو محسوس کرتا ہے۔ تاہم بذات خود کچھ حس نہیں رکھتا۔ اگر اسے کاٹیں یا اس کا کچھ حصہ نکال دیا جائے تو مطلق درد نہیں ہوتا۔ اگر کتے کے دماغ کے سامنے کا حصہ نکالدیا جائے تو بھی وہ مہینوں تک زندہ رہ سکتا ہے۔ بشرطیکہ خوراک ملتی رہے جو کچھ اس کے منہ میں ڈالا جائے چپ چاپ کھالے گا۔ لیکن خوراک

کی جستجو نہیں کرے گا۔ کیونکہ اُس کی قوّت حافظہ بالکل جاتی رہتی ہے۔ جب دماغ کی پشت کی طرف کا حصّہ بھی نکالدیا جائے۔ تو کھڑا ہونے یا چلنے پھرنے کی طاقت زائل ہو جاتی ہے۔ اس حالت میں اگر حیوان کو پیٹھ پر لٹادیں۔ تو وہ سیدھا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اعضا کو پھر بھی ہلا جُلا سکتا ہے۔ جب اُس کو کھڑا کیا جائے تو لڑکھڑا کر گر پڑتا ہے۔ اگرچہ اس وقت بھی اپنے آپ کو کھڑا رکھنے کے لئے جد و جہد کرتا ہے۔ (اس لیئے ظاہر ہے۔ کہ جسکو روح یا جیو آتما کہا جاتا ہے۔ وہ دماغ نہیں نہ دماغ اوس کا جائے قیام ہے +)

دماغ سے پیٹھ کی ہڈی کے بیچوں بیچ وہ نس واقعہ ہے۔ جسے ریڑھ کی نس یا حرام مغز کہتے ہیں۔ دماغ کی طرح یہ بھی دو قسم کے مادّوں سیاہ اور سفید سے مرکب ہے۔ مگر دماغ کے برعکس یہ بہت ہی سریع الحس ہے۔ اگر اُس میں سوئی چبھو دیجائے تو جسم تڑپنے لگ جائے گا۔ لیکن اگر اُسے سخت صدمہ پہنچے تو سانس فی الفور بند ہو جاتا ہے +

تار جیسے تار گھر سے تاریں نکلتی ہیں۔ ویسے ہی باریک باریک تاگے دماغ اور ریڑھ کی نس سے نکلکر جسم کے تمام حصوں میں پھیل جاتے ہیں۔ انہیں نس کہتے ہیں۔ ان کے بارہ جوڑے دماغ سے نکلکر آنکھ ناک کان اور جسم کے تمام حصوں میں پھیل گئے ہیں۔ بتیس جوڑے ریڑھ کی نس میں سے نکلے ہیں۔ یہ نسیں اُسی مادّے سے مرکب ہیں۔ جو دماغ میں پایا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک نہایت چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ایک گٹھے سے مرکب ہے۔ جو ایک قسم کے میان میں ملفوف ہیں +

نسیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک حس کے لیئے دوسری حرکت کے لیئے۔ جن نسوں کے ذریعہ احساس کیا جاتا ہے۔ اگر انگلی سے کسی گرم

چیز کو چھوئیں۔ تو درد کی خبر اُن کے ذریعے دماغ تک جا پہنچتی ہے۔ تب فی الفور وہاں سے حرکت کی نس کے ذریعہ پٹھوں کو پیغام پہنچتا ہے۔ کہ انگلی کو وہاں سے ہٹا لیں۔ حس کی یہ نسیں ریڑھ کی نس کی پشت کی طرف نکلتی ہیں۔ اور حرکت کی نسیں سامنے کی طرف سے +

اگر حس کی نس کاٹی جائے۔ تو جس حصے کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ اُس میں حس نہیں رہتی۔ اگر حرکت کی نس کاٹی جائے تو وہ حصہ ہل جل نہیں سکتا۔ جب کسی آدمی کو جھولا ہو جائے۔ اور وہ حرکت نہ کر سکے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کی نسوں کو صدمہ پہنچا ہے۔ بلکہ نسوں کو اگر صرف دبایا جائے تو دماغ کے ساتھ پیام رسانی بند ہو جاتی ہے۔ اگر وہ نس جو پاؤں کو دماغ سے ملاتی ہے ٹانگ کو اوپر نیچے رکھنے سے یا اور طرح سے دب جائے۔ تو پاؤں میں حرکت کی طاقت نہیں رہتی۔ تب کہا جاتا ہے کہ پاؤں سو گیا +

اگر ہاتھ میں حس کی نسیں نہ ہوں تو خواہ اُسے آگ سے جلا دیا جائے مطلق خبر نہ ہو گی۔ اس لئے درد ہوتے ہی دماغ سے اُس چیز کو دور کرنے کی ہدایت ہوتی ہے۔ جس کے چھونے سے درد ہوتا ہے۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی درد ہونے کے سبب سے ہلا جلا نہیں سکتے۔ نہیں تو وہ کبھی اچھی ہونے میں نہ آتی +

حس کی نسیں مختلف قسم کی ہیں۔ بعض روشنی محسوس کرتی ہیں۔ بعض آواز بعض بو۔ بعض ذائقہ۔ یہ دماغ کے اُس حصے سے نکلکر آنکھ کان ناک منہ کی طرف جاتی ہیں۔ جو نیچے کی طرف دائیں طرف کو ہے۔ اور جسے چھوٹا دماغ کہتے ہیں۔ ایک اور قسم کی نسیں ہیں۔ جنہیں ہمدردی کی نسیں کہتے ہیں۔ وہ ریڑھ کی دونوں طرف بطور گرہ کے ہیں۔ انکا دوسری نسوں کی طرح دماغ تک خبریں پہنچانا نہیں۔ بلکہ

ایسا ہوتا ہے۔ کہ دل اور پھیپھڑوں کو انہیں سے حرکت کی طاقت ملتی ہے خواہ سوتے ہوں یا جاگتے۔ یہ حرکت برابر جاری رہتی ہے +

ذہن دماغ کے ذریعے سے کام کرتا ہے۔ جب دماغ مضبوط اور تندرست ہو تو ذہن بھی اچھی طرح سے چلتا ہے۔ جب آدمی کے سر میں درد ہو۔ تو وہ مطالعہ کے قابل نہیں رہتا۔ جب نشے سے دماغ میں آگ لگ رہی ہو تو دیوانہ کی مانند حالت ہو جاتی ہے۔ دماغ کی بیماری سے بھی اسی قسم کے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ بعض بے علم لوگ اس حالت کو بھوت پریت کا اثر خیال کرتے ہیں۔ جب دماغ بہت خون داخل ہونے سے دب جاتا ہے۔ جیسا مرگی کی حالت میں تو آدمی بیہوش ہو جاتا ہے +

ٹھیک طور پر کام کرنے کے لئے دماغ صاف خون کا محتاج ہے اس غرض کے لیئے ہر روز کچھ دیر تک کھلی ہوا میں چلنا پھرنا یا کھیلنا ضروری ہے۔ دماغ کے لئے ورزش اور آرام دونو چیزیں ضروری ہیں۔ لیکن مناسب طور سے ہر دو باتیں ہونی چاہئیں۔ کیونکہ افراط و تفریط دونوں ہی نقصان دہ ہیں۔ لڑکپن کی عمر میں دماغ بہت نازک ہوتا ہے۔ اس لئے اس سے زیادہ کام نہیں لینا چاہیئے۔ دن کے شروع میں دماغ نہایت مضبوط ہوتا ہے۔ اس لئے اُس وقت مطالعہ میں مشغول ہونا مناسب ہے۔ سونے سے پہلے بات چیت کرنا یا تفریح کے طور پر کچھ پڑھنا نیند کے لئے اچھا ہے۔ پیٹ بھر کھانے کے بعد کچھ دیر کے لیئے دماغ کو آرام دینا چاہیئے +

دماغ کی اندرونی بناوٹ بلحاظ نسوں اور مختلف حصوں کے جنکا بیان اوپر آچکا ہے۔ تصویر نمبر سے اور کھوپڑی جدا کر کے اوپر

سے دیکھنے میں جو شکل دکھائی دیتی ہے۔ تصویر نمبر سے ظاہر ہے لیکن احساس کے لحاظ اور ترتیب سے دماغ کی جو تقسیم ہے وہ آگے ملے گی ×

کھڑکیاں

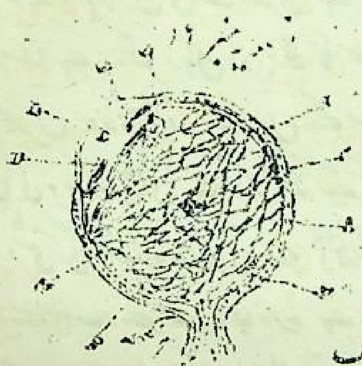
اس مکان یعنی جسم انسانی کے گنبد (سر) میں سامنے کی طرف دو نہائت عجیب و غریب کھڑکیاں ہیں۔ (جنکی مانند آج تک ایجاد نہیں ہوئی) یہ آنکھیں ہیں ان کے ذریعے مکان کے اندر روشنی پہنچتی ہے۔ اور انہیں کے ذریعہ ارد گرد کی تمام چیزوں کی عمدہ عمدہ شکلیں داخل ہو کر جمع ہوتی رہتی ہیں۔ یہ گول گول ہونے سے ادھر ادھر گھوم سکتی ہیں۔ اس کے تین غلاف ہیں۔ باہر کا سخت اور سفید ہے۔ یہ ساری آنکھ کو ڈھانپے ہوئے ہے صرف سامنے کا گول گول حصہ ڈھپا ہوا نہیں ہے۔ درمیانی غلاف سیاہ اور باریک ہے۔ مگر سب سے اندر کا غلاف (ریٹنا) نہائت نازک جالی کی مانند ہے۔ جو دماغ کے اُس مادے سے جس سے نسیں بنتی ہیں۔ مرکب ہے۔ ان تینوں غلافوں کے اندر تین شفاف اشیا بھری ہوئی ہیں۔ عین سامنے پانی جیسی ایک چیز کے چند قطرے ہیں۔ اس کے

پیچھے اور ایک اور چیز ہے۔ جسے منجمد عکسی شیشہ کہتے ہیں۔ یہ رقیق سی گوند کی مانند ہوتی ہے۔ اور اس کی صورت ایسی ہے۔ جیسے گھڑی کے اوپر کے دو شیشوں کو لیکر پشت کی طرف سے باہم پیوستہ کردیں۔ اس کے پیچھے انڈے کی سفیدی کی طرح کا ایک اور رقیق مادہ ہے۔ جو آنکھ کے سب سے بڑے حصے کو گھیرے ہوئے ہے +

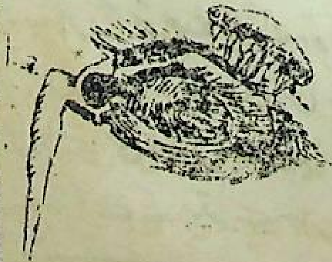
آنکھ کے سامنے کا حصہ بہت صاف ہے۔ اور سفید غلاف میں ٹھیک ایسا ہی بیٹھا ہوا ہے۔ جیسا گھڑی کا شیشہ گھڑی کے ڈھانچے میں۔ (یہ کورنیا ہے) اس کے ذرا پیچھے کی طرف ایک رنگ دار پردہ ہے جس کے عین وسط میں گول گول سیاہی مائل سوراخ ہے۔ جسے قوس کہتے ہیں۔ اس کی رنگت کبھی سیاہ۔ کبھی نیلی کبھی بھوری ہوتی ہے۔ بیچ کے سوراخ کو پتلی کہتے ہیں۔ روشنی کی مقدار کے مطابق قوس چھوٹی بڑی ہوتی رہتی ہے۔ زیادہ روشنی ہو تو سکڑ جاتی ہے۔ جس سے پتلی بہت چھوٹی نظر آتی ہے۔ تاریکی یا اندھیرے میں بہت پھیل جاتی ہے۔ کیونکہ اسوقت آنکھ کوشش کرتی ہے۔ کہ جسقدر روشنی مل سکے حاصل کرے۔ جب رات کے وقت روشن کوٹھڑی میں سے باہر نکلیں تو کچھ دیر تک تو پہلے کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن رفتہ رفتہ پتلی پھیل جاتی ہے۔ تب دکھائی دینے لگتا ہے روشنی کے وقت بلی کی آنکھ کی پتلی بہت تنگ ہوتی ہے۔ تاریکی میں وہ بہت پھیل جاتی ہے۔ جس سے بلی رات کیوقت اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی ہے۔

پتلی کے ذریعہ آنکھ کی اندر کی طرف جو نظر کرتے ہیں۔ تو سیاہ پردے کے سبب سے جو اس کے ارد گرد لگا ہے تاریک نظر آتا ہے روشنی پتلی میں سے گذرتی ہوئی آنکھ کے پچھلی طرف کے حصے میں جسے ریٹنا کہتے ہیں۔ ایک تصویر بنا دیتی ہے۔ چھوٹی سی جگہ میں جو

ایک چوٹی سے زیادہ وسیع نہ ہوگی۔ تمام اشیاء کی جو چاروں طرف دکھائی دیتی ہیں۔ سورج اور زمین ستاروں اور سمندر غرضیکہ ہر قسم کی تصویر کھنچ جاتی ہے۔ یہ تصویریں بینائی کی نس کے ذریعہ دماغ میں پہنچ جاتی ہیں۔ جس سے ذہن انسانی ان کو محسوس کر لیتا ہے۔ دیکھو شکل نمبر آنکھ کو ہر طرف پھیرنے کے لیے چھ پٹھے ہوتے ہیں۔ آنکھ سر کے سامنے کی طرف رکھی گئی ہے۔ جہاں یہ بہت کام دیتی ہے۔ اس کے گرداگرد ہڈیاں اس طور پر رکھی گئی ہیں کہ صدموں سے محفوظ رہے۔ اس کے نیچے چربی کا ایک نرم گدیلا ہے۔ اور جب کبھی اس پر چوٹ لگتی ہے۔ تو آنکھ پیچھے کی طرف دب جاتی ہے۔ آنکھ کے دروازے پر دو پٹھے (کواڑ) لگے ہوئے ہیں جو کھل سکتے ہیں۔ اور بند ہو سکتے ہیں۔ انہیں پپوٹا کہتے ہیں۔ جب دھوپ زیادہ تیز ہو۔ تو ان کی وجہ سے اندر نہیں آنے پاتی۔ نیند کے وقت بالعموم یہ بند ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مٹی اور مکھیوں کو آنکھ کے اندر گھسنے سے روکتے ہیں۔ اس کام میں پلکیں بھی ان کی مدد کرتی ہیں۔ یہ ایسی تیزی کے ساتھ بند ہو جاتے ہیں۔ کہ پلک مارنا وقت کی بہت ہی ادنے تقسیم کا نام پڑ گیا ہے۔



آنکھ کے اوپر آنسو کی تھیلی ہے۔ اور اس میں سے آنسو آنکھ کی سطح پر گرتے رہتے ہیں۔ تاکہ اُسے تر کر دیں۔ اور اشیاء جو نہیں دکھتا



آنکھ میں پڑ جاتی ہیں۔ دھوکر نکالدیں۔ یہ آنسو پپوٹوں کے ذریعے آنکھ کی سطح پر پھیل جاتے ہیں۔ آنسوؤں کے پپوٹوں کے اوپر پھیلنے سے باز رکھنے کے لئے آنکھ کے گوشہ میں ایک چھوٹی سی نالی بنی ہوتی ہے ؛

روشنی کے بغیر آنکھ بالکل بیکار ہو جاتی۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ایسی مناسبت رکھتی ہیں۔ جیسے کنجی تالے کے ساتھ۔ بھویں ماتھے کے پسینے کو اندر گرنے سے روکتی ہیں ؛

آنکھ تمام حواس کی ملکہ کہلاتی ہے۔ کان صرف تھوڑے فاصلے سے سن سکتا ہے۔ ناک زبان اور ہاتھ کا عمل اور بھی زیادہ محدود ہے۔ لیکن آنکھ لمحہ بھر میں سورج اور ستاروں کی سیر کراتی ہے۔ ویدک فلسفہ میں اس کی وجہ یہ بتائی ہے۔ کہ آنکھ کے اندر بجلی سب سے زیادہ ہے ؛

روشنی کی قلت یا زیادتی دونو آنکھ کے لئے مضر ہیں۔ مطالعہ کرنے کے لئے سب سے عمدہ قاعدہ یہ ہے۔ کہ روشنی بائیں طرف کے اوپر کو رکھی جائے۔ اس کے لئے بھی آرام کی ضرورت ہے۔ رات کے وقت ٹھنڈے پانی سے آنکھوں کو دھونا بہت مفید ہے ؛

خبر ملنے کے دروازے یعنی کان

سر کے دائیں بائیں دو دروازے ہیں۔ جنہیں کان کہتے ہیں۔ ان دروازوں کے ذریعے تمام بیرونی خبریں ملتی ہیں۔ یہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ آواز کس طرح پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً تالاب میں اگر پتھر پھینکا جائے۔ تو اس میں مدور لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ اور جوں جوں دور دور جاتی ہیں۔ کمزور ہوتی جاتی ہیں۔ آواز بھی ہوا میں ایسی ہی لہروں سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اس لئے جوں جوں وہ آواز نکلنے کے موقعہ سے دور ہوتی جاتی ہے۔ مدھم پڑتی جاتی ہے

جب گھنٹہ بجاتے ہیں۔ تو گھنٹے کی سطح جنبش میں آکر اپنے قریب کی ہوا میں لہریں پیدا کرتی ہے۔ اگر انگلی سے چھوکر گھنٹے کی حرکت بند کردیں تو آواز بھی بند ہوجاتی ہے۔ اسی طرح انسان کے بولنے سے ہوائیں ویسی ہی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ جیسی تالاب میں پتھر پھینکنے سے ہوتی ہیں۔ سننے کے وقت آواز کی لہریں کان کے بیرونی حصے میں جمع ہوکر سوراخ کے ذریعے اندر داخل ہوتی ہیں۔ جہاں ایک نہایت باریک چمڑے کو جسے کان کا ڈھول کہتے ہیں۔ لگتی ہیں اور اُسے حرکت دیتی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی ہڈیوں کی ایک زنجیر اُسے ایک دوسرے ڈھول تک پہنچاتی ہے۔ یہ ڈھول ایک سوراخ پر لگا ہوا ہے۔ جس کے اندر کئی ایک راستے ہڈیوں کے بیچوں بیچ پیچ کھاتے ہوئے گذرتے ہیں۔ یہ نالیاں ایک قسم کے عرق سے بھری رہتی ہیں۔ اور دوسرے ڈھول کی حرکت سے یہ عرق حرکت میں آتا ہے۔ سننے کی نس



کان کی بناوٹ

کے نازک ڈورے اس عرق میں تیرتے ہوئے اس حرکت کو محسوس کرتے ہیں۔ اور ان کے ذریعہ سے اس کا اثر دماغ تک جا پہنچتا ہے۔ اور تب ذہن انسانی اس آواز کو محسوس کرتا ہے۔

کان بھی آنکھ کی طرح بہت محفوظ کیا گیا ہے۔ پیچدار نالیاں جسم کی نہایت سخت قسم کی ہڈیوں سے گھری ہوئی ہیں۔ دروازے کے اندر چھوٹے چھوٹے بال ہیں۔ جو کیڑوں کو اندر گھسنے سے روکتے ہیں۔

نیز ایک قسم کی کڑوی موم سی چیز لگی رہتی ہے۔ جو اس کی سطح کو چکنی رکھتی ہے۔ اور بے بلائے مہمانوں کو نکالتی رہتی ہے۔ کان کی میل تیز چیز سے نہیں نکالنی چاہیئے۔ کیونکہ اس سے کان کے ڈھول کے چھد جانے کا خطرہ ہے۔ ہوا کان سے وہی مناسبت رکھتی ہے جو روشنی آنکھ سے۔ آنکھ ایک ہی وقت میں فقط ایک ہی چیز کو دیکھ سکتی ہے۔ مگر کان میں کئی آوازیں ملکر ایک ہی دفعہ داخل ہو سکتی ہیں

سونگھنے کا دروازہ یا ناک

آنکھوں کے نیچے ایک اور دروازہ ہے جسے ناک کہتے ہیں۔ اس کے ذریعے بو داخل ہوتی ہے۔ اس میں دو چھوٹے چھوٹے نتھنے ایک دوسرے کے پاس پاس واقعہ ہیں۔ اجسام میں سے ہمیشہ نہایت چھوٹے چھوٹے ذرات نکلتے رہتے ہیں۔ تھوڑا سا پانی ایک پیالہ میں ڈالکر دھوپ میں رکھنے سے تھوڑی دیر میں سب خشک ہو جائیگا۔ کیونکہ سب بخار بن کر اڑ جاتا ہے۔ بعض اشیاء کے ذرات نہایت ہی چھوٹے ہوتے ہیں۔ مشک میں سے سالہا سال تک لاکھوں ایسے ذرات خارج ہوتے رہتے ہیں تو بھی بظاہر اس کے وزن میں فرق نہیں آتا۔

ناک کے ذریعہ اکثر صورتوں میں یہ معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ آس پاس کی ہوا میں کس قسم کے ذرات اڑ رہے ہیں۔ ناک کا بالائی حصہ ہڈی کا ہے نچلا حصہ کرکری ہڈی کا ہے۔ جو دو برابر حصوں میں منقسم ہے۔ اس میں مختلف قسم کے پٹھوں سے حرکت ہوتی ہے۔ نتھنوں کا سوراخ پیچھے کی طرف حلق تک پہنچتا ہے۔ جہاں ایک بڑی محراب اس کے اوپر بنی ہوئی ہے۔ زیادہ جگہ بہم پہونچانے کے لیئے اس محراب میں کئی ایک چھوٹے چھوٹے پردے لگے ہوئے ہیں۔ اس کے اوپر نرم تر بہ ترجھلی

کا غلاف ہے۔ جس پر نسیں پھیلی ہوئی ہیں۔ سونگھنے کی نسیں ایک پتوں سے خالی درخت کی مانند نظر آتی ہیں۔ جن کی جڑیں دماغ میں لگی ہیں۔ اور ان کی شاخیں اور چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں نتھنوں کے اندر کے چمڑے کے غلاف پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ہوا کے چھوٹے چھوٹے ذرات نتھنوں میں سے اندر داخل ہوتے ہیں۔ جہاں سونگھنے کی نسیں ان کو ایسے ہی محسوس کر لیتی ہیں۔ جیسے منہ خوراک کا ذائقہ معلوم کر لیتا ہے ◆

اس سونگھنے کی حس کی بدولت چھوٹے چھوٹے حیوانات اپنے لئے اچھی خوراک کو تمیز کر لیتے ہیں۔ کتا اس کے ذریعے اپنے ہمراہیوں کا سراغ لگا لیتا ہے۔ خواہ وہ ان سے اتنا دور ہو کہ نہ ان کو دیکھ سکے اور نہ ان کی آواز سن سکے۔ گلاب کا پھول نہائت عمدہ خوشبو رکھتا ہے۔ مردار سے سخت بدبو آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گلاب کی خوشبو بے ضرر ہے۔ مگر مردار کی بدبو صحت کے لئے مضر ہے۔ کاشکہ گوشت خوار انسان گوشت خوری سے باز آئیں۔ اور اس کی بدبو کو مصنوعی پردوں میں نہ چھپائیں ◆

ناک اس لئے ہے کہ مضر صحت چیزوں کو ہٹانے کی اور مفید اشیاء کو استعمال میں لانے کی اطلاع دیتا ہے۔ یہ ہوا کے آنے جانے کا راستہ بھی ہے۔ اور جب منہ بند ہو تو سانس اس کے ذریعہ برابر جاری رہتا ہے

صدر دروازہ جسم انسانی کا صدر دروازہ منہ ہے اس سے خوراک اندر جاتی ہے۔ اگر یہ بند ہو جائے تو تھوڑے ہی عرصہ میں یہ تمام مکان ویران ہو جائے

اکثر لوگ اس کی اچھی طرح خبرداری نہیں کرتے۔ اور اناپ شناپ چیزیں کھاتے رہتے ہیں۔ جس سے صحت بگڑ جاتی ہے ◆

اس دروازہ میں ذائقہ لینے کی کل مخفی ہے۔ ذائقہ بے شک

زبان سے ہی لیا جاتا ہے۔ مگر اس کام میں تھنے بھی بہت مدد کرتے ہیں۔ پیشتر اس کے کہ زبان کسی چیز کو چکھ سکے ضرور ہے۔ کہ وہ پانی کے ساتھ آمیز ہو۔ اس لیے اس کے قریب تھوک کی تھیلی رکھی گئی ہے۔ زبان کے نیچے کی طرف چھوٹی چھوٹی ابھری ہوئی چیزیں نظر آتی ہیں۔ انہیں میں نسیں لگی ہیں۔ جو دماغ میں جاکر ذائقہ کی خبر پہنچاتی ہیں۔ ؁

ذائقہ بھی بو کی طرح یہ بتا دیتا ہے۔ کہ کون سی خوراک فائدہ مند ہے گویا اس بات کے دریافت کے لئے تین چوکیدار آنکھ ناک اور زبان ہیں محسوسات کو اگرچہ چہرے کی حرکات و سکنات بھی کچھ کچھ ظاہر کر دیتے ہیں۔ مگر یہ صرف ناراضگی یا خوشی کو بتا سکتی ہیں۔ کتا جب کسی سے خوش ہوتا ہے۔ تو وہ دم ہلا دیتا ہے۔ کیونکہ نہ وہ ہنس سکتا ہے۔ نہ تیوری چڑھا سکتا ہے۔ بعض حیوانات آواز نکالتے ہیں۔ اور اُن سے کچھ نہ کچھ کام بھی نکال لیتے ہیں۔ مگر کلام کی قوت دراصل انسان میں ہی ہے۔ ہر آواز جو منہ سے نکلتی ہے۔ زبان کی ایک خاص حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔ گو ناد دراصل نابھی ہردا یا چھاتی و حلق سے ہی اٹھتی ہے۔ اسی طرح اگرچہ آوازیں بیرونی دنیا میں چیزوں کے ملنے الگ ہونے اور رگڑ کھانے وغیرہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ مگر ناد دراصل آکاش یا ایتھر کی ہی لہریں ہیں۔ جو ان آوازوں کی علت ہے

چھونا

جسم کے ہر حصہ میں کم و بیش چھونے کی حس پائی جاتی ہے اس بارے میں اس کا عمل اور سب حواس سے زیادہ وسیع ہے۔ لیکن ہاتھ اپنی انگلیوں سمیت خاص طور پر اس حس کا گھر ہے۔ جس کی نسیں سارے جسم پر پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن خاصکر انگلیوں کے پوٹوں میں ان کی تعداد بے شمار ہے۔ بے شمار جوڑوں کے

سبب ہاتھ خصوصاً جسم کے اور اعضا کی نسبت اشیاء کو پکڑنے کے لئے
زیادہ تر مناسبت رکھتا ہے۔ آنکھ ناک۔ فقط اپنے دروازے کھولے پڑے
رہتے ہیں۔ لیکن ہاتھ سے اپنی مرضی کے مطابق جس چیز کو چاہو
پکڑ سکتے ہیں۔ پانچوں حواس یعنی آنکھ۔ کان۔ ناک۔ منہ اور کھال
(آلۂ حس) علم کے دروازے ہیں +

موصوف یا انتہ کرن یا من

الغرض جدید سائنس جسم کے اندر موجود مادّی
اشیاء کا اس سے زیادہ اور کوئی حال نہیں
بتاتی۔ کہ اس کی رو سے تمام محسوسات اور حرکات
کا اجزاء و قبولیت دماغ سے ہوتا ہے۔ جو ہڈیوں
رگوں۔ نسوں۔ گوشت و پوست کا مجموعہ ہے اور
تمام جسم کے لئے مثل تار گھر کام کا کمرہ ہے۔ لیکن اصلی مکان ٹانگوں
سے اوپر گردن تک کا حصہ ہے۔ جیسے اندر کہ ہواؤں کی آمد و رفت۔ خون
کا چکر اور کھانے پینے کے برتن وغیرہ ہیں۔ مگر بروئے تحقیقات قدیم
جسم میں ان سے زیادہ لطیف اور ان سے زیادہ دقیق مگر دلچسپ
اور مادّی چیزیں بھی ہیں۔ جن کے مجموعہ کا نام انتہ کرن یا ذہن ہے
بیرونی دنیا میں جو پانچ نوع (قسم) کے عناصر یعنی پرتھوی۔ جل
اگنی۔ وایو۔ اور آکاش بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی موجودگی جسم
انسانی میں بھی ظاہر اور بدیہی ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے۔ کہ جس طرح
بیرونی دنیا میں یہ پانچوں عناصر مرکب و مفرد حالتوں میں پائے جاتے
ہیں۔ ایسے ہی جسم انسانی میں بھی موجود ہیں۔ اس لئے اب صرف یہ
تحقیقات مطلوب ہے۔ کہ ان کے علاوہ اور کیا کیا چیزیں جسم انسانی
میں ملتی ہیں +

یہاں سوال یہ ہونا چاہیے۔ کہ جو روشنی اور تصویریں (روپ) مختلف

رگیں دماغ میں پہونچاتی ہیں۔ ان کا ذخیرہ کہاں ہے۔ وہ کونسا پلیٹ ہے۔ جبپر کہ ہزارہا تصویریں اس طرح جمع ہوتی رہتی ہیں۔ کہ جب برسوں اور مدتوں کی تصویریں دیکھی ہوئی آن کی آن میں ذرا سا اشارہ پاتے ہی خواہ وہ اشارہ ارادتاً ہو یا بلا ارادہ سامنے موجود کر دیتی ہے۔ برسوں کے سنے ہوئے نغمے اور دلکش راگ و دلچسپ بیانات جوں کے توں کتابوں کی طرح کہاں جمع رہتے ہیں۔ اور وہ کونسا فونو گراف اندر لگا ہوا ہے۔ کہ جوں کا توں سنا دیتا ہے۔ مختلف اقسام کی مختلف مقامات پر حاصل شدہ خوشبوؤں کو کہاں جمع رکھا جاتا ہے مختلف قسم کے ذائقہ کس طرح محفوظ رہتے ہیں۔ اور ہزارہا قسم کے لمس (سپرش) کسطرح ایک ہی جگہ موجود رہتے ہیں۔ دماغ کی رگ رگ کو پھاڑ لیجئے۔ کہیں پتہ نہیں۔ اس کی ہر ایک کوٹھڑی کو تلاش کیجئے سراغ ندارد۔ علاوہ ازیں یہ بھی تو ضروری ہے۔ کہ ان جملہ اقسام کی حسوں کا مرکز بھی تو ایک ہی ہو۔ ورنہ یہ کیونکر ہوگا۔ کہ جس چیز کو آنکھ محسوس کرے گی زبان اس کے ذائقہ میں مست ہو کر چٹخارے بھرنے لگے ہاتھ اسے پکڑنے کے لئے کلبلانے لگیں۔ پاؤں اس تک پہونچنے کے لئے دوڑیں وغیرہ وغیرہ اگر ایسے خاص مرکز کی ضرورت نہ سمجھی جائے تو کیا یہ درست ہوگا۔ کہ وہ ہڈیاں یا نسیں قائم مقامی کر سکتی ہیں۔ جنہیں کہ یہ مختلف قسم کی محسوس کرنے والی رگیں جاکر ملتی ہیں۔ واقعات بتاتے ہیں کہ ہرگز نہیں دیکھئے :-

(۱) آنکھ کے بیان میں جو پردے اور نسیں بتائے گئے ہیں۔ اور جس پتلی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان سب کا کام یہ ہے کہ باہر سے روشنی کے ساتھ تمام موجودات کی تصویریں ایک ساتھ دماغ کے اس حصہ میں جسے ریٹینا کہا گیا ہے۔ داخل کردیں۔ لیکن وہاں ایسی کوئی چیز موجود

نوٹس

چونکہ ٹریکٹ ڈیپارٹمنٹ کی ادھشٹاتا شریمان کرشن ایڈیٹر پرکاش مقرر ہو چکے ہیں اور جملہ ٹریکٹ و کتب ویدتتو پرکاش بمقام لاہور بھیجدئے گئے ہیں۔ اس لئے جو اصحاب کوئی کتاب منگوانا چاہیں۔ وہ براہ راست مہاشہ کرشن جی ایڈیٹر پرکاش کی سیوا میں پتر لکھکر منگا لیں۔ دفتر آریہ مسافر جالندھر میں لکھنے کی تکلیف نہ اٹھاویں۔

دینا ناتھ مینیجر

ضرور ملاحظہ فرمائیں

جو خریدار صاحب تبدیل پتہ یا متعلق حساب کتاب چندہ یا دیگر امور کی بابت دفتر ہذا سے خط و کتابت کریں۔ براہ عنائت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھدیا کریں ورنہ شکائت عدم تعمیل سے معاف رکھیں۔

مینیجر آریہ مسافر



